بانی ومہتمم :مفتی محمد رضا قادری نقشبندی مصباحی خلیفہ حضور شیخ العالم وسربراہ اعلیٰ علما کونسل نیپال بفیض روحانی : مجمع الفضائل والبرکات،مظہر کمالات امام ربانی حضور شیخ العالم مولانا شاہ احمد رضا نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ قیادت :قائد ملت نیپال حضرت مولاناالحاج سید غلام حسین مظہری مرکزی صدر علما کونسل نیپال

R.N:5310 -2082/2083

نیپال اردو ٹائمز

Weekly The NEPAL URDU TIMES

eSewa

چیف ایڈیٹر: عبد الجبار علیمی نظامی

weeklynepalurdutimes@gamil.com

جلد نمبر ۱ VOL:(1)

12 صفحات

30/اپریل 2026 مطابق 12/ذی القعدہ 1447ھ/17 گتے بیساکھ 2083

شمارہ نمبر ۸۷ ISSUE (87)

بالیندر سرکار کو جھٹکا، صدر نے تمام ٦ آرڈیننس روکے، مشاورت کے بعد لیں گے فیصلہ

نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
احمد رضا ابن عبد القادر اویسی

کاٹھمانڈو: صدر پوڈیل نے بالیندر سرکار کو جھٹکا دیا ہے۔ ۳۰ اپریل سے طلب کردہ پارلیمنٹ سیشن کے التوا کے درمیان حکومت نے صدر سے ایک ساتھ ٦ آرڈیننسوں کو ہری جھنڈی دکھانے کی سفارش کی تھی۔ صدر جمہوریہ رام چندر پوڈیل نے فی الحال تمام آرڈیننس روک لیے ہیں۔ وہ آئینی ماہرین سے مشاورت لینے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کریں گے۔ صدر بھون کے مطابق اس کے لیے آج شام ۴ بجے آئینی ماہرین کو شیتل نیواس بلایا گیا ہے۔ یہ ارڈیننس عوامی اداروں میں تقرریوں کو شفاف اور مسابقتی بنانے جماعتی سیاسی مداخلت ختم کرنے، عوامی تعمیراتی کاموں کو تیز کرنے کو آپریٹو اداروں کے چھوٹے بچت کنندگان کی رقم واپس دلانے اور زمین ماپوت لینڈ ریونیو اور ناپی اراضی کی پیمائش جیسی خدمات کو موثر بنانے کے مقاصد سے متعلق ہیں۔ ان آرڈیننسوں میں آئینی کونسل کام فرائض اختیارات اور طریقہ کار سے متعلق ایکٹ ۲۰٦٦ میں ترمیم کوآپریٹو ایکٹ ۲۰۷۴ میں ترمیم یونیورسٹی اور ہیلتھ سائنس اداروں سے متعلق کچھ قوانین میں ترمیم ماضی میں سیاسی طور پر مقرر کردہ عوامی عہدیداروں کو سبکدوش کرنے کے لیے خصوصی انتظامات اور پبلک پروکیورمنٹ ایکٹ ۲۰٦۳ میں ترمیم شامل ہیں۔ صدر کے میڈیا مشیر کرن پوکھریل نے بتایا کہ آئینی کونسل سے متعلق آرڈیننس کی وجہ سے صدر تذبذب میں ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ اس سے پہلے، پارلیمنٹ سے منظور شدہ ایک بل کو بھی صدر نے نظر ثانی کے لیے واپس بھیجا تھا۔ آرڈیننس میں یہ تجویز ہے کہ کونسل کے ٦ اراکین میں سے ۳ اراکین مل کر فیصلہ لے سکتے ہیں۔ جبکہ پہلے صدر نے اسی دفعہ کو آئینی اور جمہوری روایات کے مطابق اکثریت کی ضرورت بتاتے ہوئے بل کو واپس کر دیا تھا۔

حکومت کسی کو بے گھر نہیں ہونے دے گی، اس پر سیاست نہ کرے: روی لامیچھانے

نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
کاٹھمانڈو

راشٹریہ سوتنتر پارٹی کے چیئرمین اور سابق وزیر داخلہ روی لامچھانے نے حال ہی میں یہ یقین دہانی کرائی ہے کہ حکومت کسی بھی بے زمین یا غیر رسمی بستیوں میں رہنے والے شہری کو بے گھر نہیں ہونے دے گی۔ بدھ کو سنگھا دربار میں پارٹی دفتر میں منعقدہ ایک غیر رسمی میٹنگ سے خطاب کرتے ہوئے چیئرمین لامیچھانے نے غیر ضروری سیاست کرنے کے خلاف بھی زور دیا۔ انہوں نے واضح کیا کہ خطرناک علاقوں (جیسے نالوں کے قریب یا سیلاب زدہ مقامات) سے بستیوں کی منتقلی کے دوران حکومت شہریوں کو محفوظ چھت فراہم کرنے کی ذمہ دار ہے۔ انہوں نے کہا کہ خطرناک جگہوں پر مقیم افراد کو بار بار مطلع کرنے کے بعد آسان طریقے سے محفوظ مقامات پر منتقل کر دیا گیا ہے۔ حکومت ڈیٹا اکٹھا کرنے اور انتظام میں ذمہ داری سے کام کر رہی ہے۔ انہوں نے درخواست کی ہے کہ کسی بھی اضافی احتیاط کی ضرورت پر توجہ مبذول کروائی جائے۔ انہوں نے کہا کہ نالوں اور سیلاب کے قریب رہنے پر مجبور شہریوں کی محفوظ رہائش کے بارے میں تشویش ہے اور حکومت کا فرض ہے کہ وہ سب کے مستقبل کی فکر کرے۔ ملک بھر میں اس مسئلے سے نمٹنے کے لیے ایک خصوصی کمیشن بنایا جائے گا اور تیزی سے کام کیا جائے گا۔ لیکن اس عمل میں حکومت کسی کو بے گھر نہیں کرے گی۔ انہوں نے کہا کہ حکومت تمام بے گھر شہریوں کو خوراک، رہائش، لباس اور روزگار کے مواقع فراہم کرنے کی ذمہ داری لے گی۔ انہوں نے کہا کہ جو لوگ خطرے والے علاقوں میں مقیم ہیں، انہیں بارہا مطلع کیا گیا ہے اور بتدریج محفوظ مقامات پر منتقل کیا جا رہا ہے۔ روی لامچھانے نے اسٹیک ہولڈرز اور دیگر سیاسی جماعتوں سے اپیل کی کہ وہ اس انسانی مسئلے پر سیاست کرنے کے بجائے تعاون کریں تاکہ ہر شہری کو محفوظ اور باوقار رہائش میسر آ سکے۔

بدعنوانی کے شبہات کے پیش نظر چین سے جڑے ترقیاتی منصوبوں کی جامع اور شفاف جانچ شروع

نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
کاٹھمانڈو

نیپال میں حالیہ سیاسی تبدیلی کے بعد نئی حکومت نے چین کے ساتھ کیے گئے بنیادی ڈھانچے سے متعلق متعدد معاہدوں کی باضابطہ جانچ شروع کر دی ہے۔ اس اقدام کا مقصد یہ معلوم کرنا ہے کہ سابق وزیر اعظم کے پی شرما اولی کے دور میں طے پانے والے منصوبے کیوں تعطل کا شکار ہوئے، ان میں تاخیر کیوں ہوئی اور کئی منصوبے عملی طور پر کیوں آگے نہیں بڑھ سکے۔ دہلی میں قائم تھنک ٹینک انسٹی ٹیوٹ فار کانفلکٹ ریسرچ اینڈ ریزولیوشن کی ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق نیپال میں چین کی بڑھتی ہوئی موجودگی صرف اقتصادی تعاون تک محدود نہیں رہی بلکہ اس نے اسٹریٹجک اور سیاسی اثر ورسوخ کی شکل اختیار کر لی۔ رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ چین نے تبت اور تائیوان جیسے حساس معاملات پر نیپال پر سفارتی دباؤ ڈالنے کے ساتھ ساتھ داخلی پالیسی سازی کو متاثر کرنے کی کوشش کی۔ اولی حکومت کے دوران چین کے ساتھ متعدد بڑے منصوبوں کو نیپال کی اقتصادی خود مختاری اور علاقائی رابطہ کاری کے لیے اہم قرار دیا گیا تھا۔ تاہم موجودہ حکومت کا کہنا ہے کہ ان منصوبوں میں سے کئی کے لیے نہ تو مالیاتی وضاحت موجود تھی اور نہ ہی ٹھوس عملی منصوبہ۔ اب ان تمام معاہدوں کا تفصیلی جائزہ لیا جا رہا ہے تاکہ شفافیت کو یقینی بنایا جا سکے۔ زیر غور منصوبوں میں بوڑھی گنڈکی پن بجلی منصوبہ نمایاں ہے، جس کا معاہدہ دو ہزار سترہ میں ایک چینی کمپنی کو دیا گیا تھا، مگر اسی سال ندی کی گئی تھی۔ اسی لیے اب اسے منسوخ کر دیا گیا، بعد میں بحال کیا گیا اور اب تک عملی پیش رفت نہ ہونے کے باعث رکا ہوا ہے۔ اسی طرح کیرنگ سے کٹھمنڈو ریلوے منصوبہ بھی تکنیکی مشکلات اور مالی وسائل کی کمی کے سبب ابھی تک مکمل نہیں ہو سکا۔ ٹرانس ہمالیائی کثیر جہتی رابطہ نیٹ ورک، جسے چین کے بیلٹ اینڈ روڈ اقدام کے تحت شروع کیا گیا تھا، اب تک صرف نظریاتی سطح تک محدود ہے۔ سرحد پار بجلی کی ترسیل کے منصوبے اور رسواگڑھی۔ کیرنگ سرحدی ڈھانچے کی ترقی بھی سست روی کا شکار ہیں۔ شمالی شاہراہوں کی تعمیر اور دیگر رابطہ منصوبے بھی مکمل نہیں ہو سکے

تمام اسکول اتوار کو بھی کھلیں گے؛ ملک کی بیشتر نگر پالیکاؤں نے اتوار تعطیل کی مخالفت کی

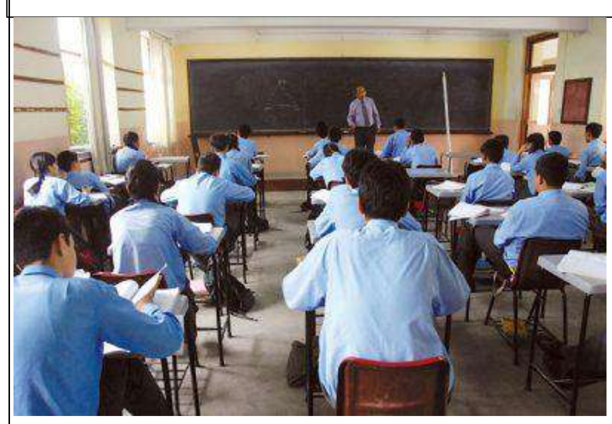

نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
مدھیش پردیش

مکھیاپٹی مسہر نیا گاؤں پالیکا کنچن پور نگر پالیکا سمیت نے علاقے کے تمام سرکاری و نجی تعلیمی اداروں کو ایک اہم ہدایت جاری کرتے ہوئے اتوار کے دن بھی باقاعدہ تدریسی عمل جاری رکھنے اور فوری طور پر تعلیمی سلسلہ شروع کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ اس فیصلے کو تعلیمی بہتری اور طلبہ کے روشن مستقبل کی جانب ایک مثبت اور دور رس اقدام قرار دیا جا رہا ہے۔ اس اعلان کے بعد سینکڑوں نگر پالیکا اور گاؤں پالیکا نے اتوار کو تعلیمی سلسلہ جاری رکھنے کے لیے ہدایت نامہ جاری کرنے کی تیاری کر لی ہے۔ گاؤں کاریا پالیکا کے دفتر کی جانب سے جاری کردہ باضابطہ اعلامیے میں کہا گیا ہے کہ تمام کمیونٹی اور ادارہ جاتی اسکول داخلہ مہم کے ساتھ ساتھ بلا تاخیر باقاعدہ کلاسز کا آغاز کریں تاکہ تعلیمی سال کا قیمتی وقت ضائع نہ ہو اور طلبہ کو مسلسل تعلیمی ماحول میسر آ سکے۔ اعلامیے میں مزید وضاحت کی گئی ہے کہ شکشا تتھا مانو سروت وکاس کیندر کی ہدایات کے مطابق ۱۵ ویں بیساکھ سے داخلہ مہم شروع کرنے اور ۲۱ ویں بیساکھ سے تدریسی سرگرمیوں کا آغاز کرنے کا فیصلہ پہلے ہی کیا جا چکا تھا۔ تاہم، مقامی حکومت کو بنیادی و ثانوی تعلیم کے انتظام وانصرام کا مکمل اختیار حاصل ہونے کے پیش نظر، تمام اسکولوں کو بروقت تدریس شروع کرنے کی سختی سے تاکید کی گئی ہے۔ حکام نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ اگر نصابی کتب کی فراہمی میں کسی قسم کی تاخیر پیش آئے تو اسکول انتظامیہ متبادل ذرائع اختیار کرتے ہوئے تعلیمی سلسلے کو متاثر نہ ہونے دیں، تاکہ طلبہ کی تعلیمی رفتار برقرار رہے۔ گاؤں / نگر پالیکا نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ اب تمام اسکول اتوار سے جمعہ تک باقاعدگی کے ساتھ کھلے رہیں گے، جس سے نہ صرف تعلیمی نظم وضبط مضبوط ہو گا بلکہ طلبہ میں مستقل مزاجی اور علم سے وابستگی کو بھی فروغ ملے گا۔

مفکرِ اسلام حضرت علامہ قمر الزمان اعظمی مصباحی کی شفایابی کے لیے دعا کی گزارش

مفکرِ اسلام حضرت علامہ قمر الزمان اعظمی مصباحی کی علالت کی خبر سے اہلِ علم ودین میں تشویش پائی جاتی ہے۔ آپ کی علمی خدمات اور دینی رہنمائی امت کے لیے ایک قیمتی سرمایہ ہیں، اسی لیے ان کی صحت سب کے لیے نہایت اہم ہے۔ تمام اہلِ ایمان سے گزارش ہے کہ وہ خلوصِ دل کے ساتھ ان کی جلد صحت یابی کے لیے دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ انہیں کامل شفا عطا فرمائے، صحتِ کاملہ وعاجلہ نصیب کرے اور ان کا سایہ امت پر سلامت رکھے۔ آمین۔ نیپال اردو ٹائمز

عالم دین کا بہیمانہ قتل، ریلوے ٹریک پر ملی لاش اہل خانہ کا رو رو کر برا حال

ایک نہایت افسوسناک اور دل دہلا دینے والا حادثہ۔
کشن گنج بہار (نیوز ایجنسی)
رضوان احمد مصباحی (نیپال اردو ٹائمز)

صوبہ بہار کے ضلع کشن گنج سے دردناک حادثے کی خبر آئی ہے ٹھاکر گنج، کشن گنج، بہار کے ایک عالمِ دین جن کی شادی کو صرف دو

سال ہوئے، گورکھپور میں امامت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ عرس تاج الشریعہ علیہ الرحمہ میں آئے ہوئے تھے۔ واپسی کے دوران، جیسا کہ ان کے اہل خانہ نے بتایا، ٹرین میں کسی سے ان کا جھگڑا ہو گیا، کچھ غنڈے سامان چھیننے کی کوشش کر رہے تھے۔ بات دھکا مکی تک پہنچ گئی۔ کچھ دیر بعد ان کا موبائل بند ہو گیا، اور پھر بعد میں ان کی لاش بریلی کینٹ کے قریب ملی۔
خصوصا علمائے کرام سے اپیل ہے کہ سفر کے دوران احتیاط برتیں، غیر ضروری سفر سے بچیں، اور خطرناک راستوں پر بالکل سفر نہ کریں۔ خاص طور پر جنرل ڈبے میں سفر کرنے سے گریز کریں، حتیٰ کہ سلیپر میں بھی بلا ضرورت سفر نہ کریں۔
اللہ تعالیٰ مرحوم کی کامل مغفرت فرمائے، ان کی خطاؤں کو معاف کرے، درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

لبنان میں حزب اللہ کی سرنگیں تباہ، اب ڈرون خطرے کا کریں گے خاتمہ: بنجامن نیتن یاہو

تل ابیب: (ایجنسیاں)
اسرائیلی وزیر اعظم بنجامن نیتن یاہو نے منگل (۲۸ اپریل) کو کہا کہ لبنان میں حزب اللہ کے سرنگوں کے نیٹورک کو تباہ کرنے کے بعد اب ڈرون کے خطرے کو ختم کرنا اگلا ہدف ہے۔ جنوبی لبنان میں حزب اللہ کی سرنگیں تباہ کرنے کے بعد نیتن یاہو نے کہا کہ ہمارا کام ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے کہا کہ میں نے چند ہفتے قبل ڈرون حملوں کو ختم کرنے کے لیے ایک خصوصی منصوبے کی ہدایات دی تھی۔ اس میں وقت لگے گا لیکن ہم اسے بھی ختم کر دیں گے۔ اسرائیل نے جنوبی لبنان میں حزب اللہ کے مبینہ سرنگوں کے نیٹورک کو تباہ کر دیا۔ منگل کی دیر رات فوج نے قنطرہ میں ایک بڑا دھاکہ کیا اور اسرائیل کے جیولوجیکل سروے نے بتایا کہ یہ دھاکہ اتنا طاقتور تھا کہ اسے زلزلے کی لہروں کے طور پر ریکارڈ کیا

گیا۔ اسرائیلی وزیر دفاع کاٹز نے بتایا کہ فوج کو غزہ کی طرز پر حزب اللہ کے ڈھانچے کو تباہ کرنے کی ہدایات دی گئی ہیں۔
اسرائیلی دفاعی افواج نے دعویٰ کیا ہے کہ جنوبی لبنان کے قنطرہ میں ڈویژن ۳۶ کی کارروائیوں کے تحت، انہوں نے لبنان میں اب تک دریافت ہونے والی سب سے اہم زیر زمین سرنگ کا پتہ لگایا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ سرنگ تقریباً ۲ کلومیٹر لمبی ہے اور زمین سے ۲۵ میٹر نیچے تک جاتی ہے۔ اس سرنگ کی تعمیر ایران کی مدد سے کی گئی تھی۔
منگل کو ۴۵۰ ٹن دھماکہ خیز مواد کی مدد سے اس سرنگ کو تباہ کر دیا گیا ہے۔ آئی ڈی ایف کے مطابق یہ سرنگ ۲۵ میٹر گہری تھی، جو کہ پتھریلی گرینائٹ چٹان میں کھودی گئی تھی، جس میں ۳۰ شافٹ تھے اور اس کی لمبائی ۲ مختلف محوروں پر ۲ کلومیٹر سے زیادہ تھی۔
آئی ڈی ایف کے مطابق تباہ کی گئی سرنگ کے اندر موجود ۳۰ کمروں کے درمیان شاور، راہداریوں میں آیت اللہ دور کے رہنماؤں کی تصویروں سے سجاوٹ اور آرائشی لیمپ موجود تھے۔ اس سرنگ میں ہتھیاروں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ چھپا ہوا تھا، جس کا استعمال حزب اللہ کرتا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ ہیلینک فوج کی پہلی انفنٹری ڈویژن کے لیفٹیننٹ کرنل ایچ، جنہوں نے گزشتہ ۲ سالوں میں مختلف مقامات پر زیر زمین سرنگوں کی تلاش کی ہے، انہوں نے اس سرنگ کو کچھ خاص اور منفرد قرار دیا ہے۔

مغربی بنگال اسمبلی الیکشن: اہم اور سنسنی خیز پولنگ مرحلے کا آغاز

نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
سید ظہیر احمد فنا
کولکتہ / بھارت: (نیوز ایجنسی) ملک ریاستی اسمبلی انتخابات کے ایک اہم مرحلے کا آغاز ہو گیا ہے جہاں مختلف ریاستوں میں ووٹنگ کا عمل جاری ہے۔ خاص طور پر مغربی بنگال اور تمل ناڈو میں ہونے والے انتخابات کو نہایت اہم سمجھا جا رہا ہے کیونکہ یہ مستقبل کی قومی سیاست پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ مغربی بنگال میں سب سے سخت مقابلہ دیکھنے کو مل رہا ہے جہاں وزیر اعلیٰ ممتا بنرجی اپنی جماعت آل انڈیا ترنمول کانگریس کے ساتھ مسلسل چوتھی بار اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اس کے مقابلے میں وزیر اعظم نریندر مودی کی جماعت بھارتیہ جنتا پارٹی بھرپور مہم چلا رہی ہے تاکہ پہلی بار اس ریاست میں حکومت قائم کی جا سکے۔ ریاست میں پہلے مرحلے کے دوران ۲۹۴ میں سے ۱۵۲ نشستوں پر ووٹنگ ہو رہی ہے جس میں ۱۴۷۸ امیدوار میدان میں ہیں۔ تاہم انتخابات سے قبل ووٹر لسٹ کی نظر ثانی نے شدید تنازعہ پیدا کر دیا ہے۔ تقریباً ۹۰ لاکھ ووٹروں کے نام فہرست سے خارج کیے جانے کا دعویٰ کیا جا رہا ہے جبکہ لاکھوں افراد کی حیثیت ابھی بھی زیر غور ہے۔ اس معاملے نے سیاسی کشیدگی کو مزید بڑھا دیا ہے اور کئی متاثرہ افراد نے اپنے ووٹنگ حقوق کے سلب ہونے پر تشویش ظاہر کی ہے۔ انتخابی عمل کو پرامن بنانے کے لیے سیکیورٹی کے سخت انتظامات کیے گئے ہیں۔ تقریباً ۲ لاکھ ۴۰ ہزار سیکیورٹی اہلکار تعینات کیے گئے ہیں اور مختلف پابندیاں بھی نافذ کی گئی ہیں جن میں موٹر سائیکل ریلیوں پر پابندی اور شراب کی فروخت پر طویل مدت کی روک شامل ہے۔
دوسری جانب تمل ناڈو میں ایک ہی مرحلے میں تمام ۲۳۴ نشستوں پر ووٹنگ ہو رہی ہے جہاں ۵ کروڑ ۷۰ لاکھ سے زائد ووٹرز حق رائے دہی استعمال کریں گے۔ یہاں سیاست روایتی طور پر دو بڑی جماعتوں دراوڑ منیترا کڑگم اور آل انڈیا انا دراوِڑ منیترا کڑگم کے گرد گھومتی رہی ہے۔ موجودہ وزیر اعلیٰ ایم کے اسٹالن اپنی حکومت برقرار رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں جبکہ اپوزیشن بی جے پی کے ساتھ اتحاد میں مقابلہ کر رہی ہے۔
اس بار انتخابات میں فلمی شخصیت وجے کی نئی جماعت کی شمولیت نے مقابلے کو مزید دلچسپ بنا دیا ہے جس سے تین طرفہ مقابلے کے امکانات بڑھ گئے ہیں۔
یہ انتخابات نہ صرف ریاستی سطح پر حکومتوں کے قیام کے لیے اہم ہیں بلکہ انہیں نریندر مودی اور ان کی جماعت کی مقبولیت کے ابتدائی امتحان کے طور پر بھی دیکھا جا رہا ہے۔ اپوزیشن جماعتیں بھی اس موقع کو اپنی سیاسی طاقت دکھانے کے لیے استعمال کر رہی ہیں۔ مجموعی طور پر یہ انتخابی مرحلہ ہندوستان کی سیاست میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتا ہے جہاں عوامی فیصلے آنے والے دنوں کی سیاسی سمت کا تعین کریں گے۔ ریاست مغربی بنگال میں اسمبلی انتخابات کے پہلے مرحلے کی ووٹنگ جمعرات کی صبح مختلف حلقوں میں شروع ہو گئی۔ ریاست کے گورنر نے عوام بالخصوص نوجوانوں اور خواتین سے اپیل کی ہے کہ وہ جمہوریت کے اس مقدس تہوار میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور اپنے ووٹ کا حق ضرور استعمال کریں۔
راج بھون کے سرکاری اکاؤنٹ کے مطابق گورنر نے کہا کہ ہر ووٹ قیمتی ہے اور یہ مغربی بنگال کے مستقبل کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ انہوں نے ووٹروں پر زور دیا کہ وہ جوش و خروش کے ساتھ ووٹنگ میں حصہ لیں۔
اس دوران سویندو ادھیکاری نے، جو بھارتیہ جنتا پارٹی کے امیدوار ہیں، پرامن ووٹنگ کی اپیل کی۔ انہوں نے کہا کہ انتخابات کا عمل امن و امان کے ساتھ مکمل ہونا چاہیے اور تمام انتظامات بہتر طریقے سے انجام دیے جائیں۔
ریاست کے مختلف علاقوں میں صبح سات بجے سے ووٹنگ کا عمل شروع ہوا جہاں پولنگ اسٹیشنز پر سیکیورٹی کے سخت انتظامات کیے گئے ہیں۔ انتخابی عملے اور سیکیورٹی فورسز کو پہلے ہی تعینات کر دیا گیا تھا تاکہ ووٹنگ کا عمل منظم اور شفاف طریقے سے انجام پائے۔
پریذائیڈنگ آفیسر سواتی سرکار پال نے بتایا کہ بوتھ سطح پر تمام انتظامات مکمل ہیں اور ووٹرز کو آسانی کے ساتھ ووٹ ڈالنے کی سہولت فراہم کی جا رہی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ الیکٹرانک ووٹنگ مشینیں درست طریقے سے کام کر رہی ہیں اور کسی بھی خرابی کی صورت میں فوری متبادل کا انتظام موجود ہے۔ ادھر وزیر اعظم نریندر مودی نے بھی مغربی بنگال اور تمل ناڈو کے ووٹروں سے اپیل کی کہ وہ بڑی تعداد میں ووٹنگ میں حصہ لیں۔ انہوں نے ووٹنگ کو جمہوری فریضہ قرار دیتے ہوئے خاص طور پر نوجوانوں اور خواتین سے بھرپور شرکت کی درخواست کی۔
مغربی بنگال میں اس بار سخت مقابلہ متوقع ہے جہاں آل انڈیا ترنمول کانگریس مسلسل چوتھی بار اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہے جبکہ بھارتیہ جنتا پارٹی ریاست میں حکومت بنانے کے لیے سرگرم ہے۔ وزیر اعلیٰ ممتا بنرجی چوتھی بار اقتدار حاصل کرنے کی خواہاں ہیں جبکہ بی جے پی گزشتہ انتخابات میں حاصل کی گئی نشستوں کے بعد مزید مضبوط کارکردگی دکھانے کی کوشش کر رہی ہے۔
ریاست کی ۲۹۴ اسمبلی نشستوں کے لیے انتخابات دو مرحلوں میں ہو رہے ہیں جن میں پہلے مرحلے میں ۱۵۲ حلقوں میں ووٹنگ جاری ہے جبکہ دوسرا مرحلہ ۲۹ اپریل کو ہوگا۔ الیکشن کمیشن کے مطابق پہلے مرحلے میں مجموعی طور پر ۱۴۷۸ امیدوار میدان میں ہیں۔
ووٹوں کی گنتی ۴ مئی کو کی جائے گی جس کے بعد نتائج کا اعلان کیا جائے گا۔

امریکہ برطانیہ تعلقات کی تاریخی اہمیت پر شاہ چارلس کا زور

واشنگٹن: (ایجنسیاں)
برطانیہ کے بادشاہ شاہ چارلس سوم نے امریکہ اور برطانیہ کے تعلقات کی تاریخی بنیادوں پر زور دیتے ہوئے کہا ہے کہ یہ رشتہ دوسری جنگ عظیم کے دور سے مضبوط ہوتا آیا ہے۔ وائٹ ہاؤس میں منعقدہ سرکاری عشائیے سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ دونوں ممالک نے اپنے مشکل ترین ادوار میں ایک دوسرے کا ساتھ دیا جس کے نتیجے میں ۱۹۴۹ میں نیٹو کا قیام عمل میں آیا۔ انہوں نے کہا کہ دوسری جنگ عظیم کے دوران امریکہ نے یورپ کی تعمیر نو میں اہم کردار ادا کیا اور آزادی کے محافظ کے طور پر نمایاں خدمات انجام دیں۔
شاہ چارلس نے موجودہ عالمی صورتحال کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ یوکرین اور روس کے درمیان جاری جنگ کے تناظر میں دونوں ممالک کو یوکرین کی حمایت جاری رکھنی چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ نیٹو اور اوکس جیسے اتحاد نہ صرف عسکری بلکہ تکنیکی تعاون کو بھی فروغ دیتے ہیں اور بدلتی ہوئی عالمی صورتحال میں مشترکہ چیلنجز سے نمٹنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ یہ بیان ایسے وقت میں سامنے آیا ہے جب امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی جانب سے نیٹو سے ممکنہ علیحدگی کے حوالے سے خدشات ظاہر کیے گئے تھے۔ تقریب کے دوران شاہ چارلس نے صدر ٹرمپ کو برطانوی بحریہ کی ایک آبدوز کی گھنٹی بطور تحفہ پیش کی جو ۱۹۴۴ میں تیار کی گئی تھی اور بحرالکاہل کی جنگ میں استعمال ہوئی تھی۔ انہوں نے اس موقع پر کہا کہ یہ تحفہ دونوں ممالک کی مشترکہ تاریخ اور مستقبل کی علامت ہے اور مذاقاً کہا کہ اگر کبھی رابطہ کرنا ہو تو اس گھنٹی کو بجا لیا جائے

آبنائے ہرمز کا تحفظ مشترکہ ذمہ داری، سعودیہ کا عالمی برادری سے مطالبہ

ریاض: (ایجنسیاں) سعودی عرب نے اس بات پر زور دیا ہے کہ آبنائے ہرمز میں جہاز رانی کا تحفظ ایک مشترکہ عالمی ذمہ داری ہے، اور توانائی، خوراک اور ادویات کی ترسیل کے اہم راستوں کی حفاظت ناگزیر ہے۔ سعودی مؤقف کے مطابق دنیا اس وقت آبنائے ہرمز کے حوالے سے ایک غیر معمولی کشیدگی اور تنازعہ کا سامنا کر رہی ہے، جو عالمی معیشت کیلئے نہایت اہم آبی گزرگاہ ہے۔ سعودی عرب نے بین الاقوامی برادری خصوصاً سلامتی کونسل سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ ایران کی جانب سے ہونے والے حملوں کی واضح مذمت کرے۔ ساتھ ہی ریاستوں کی خودمختاری کے احترام، طاقت کے استعمال یا اس کی دھمکی سے گریز اور حسنِ ہمسائیگی کے اصولوں کی پاسداری پر زور دیا گیا ہے۔ سعودی عرب نے ایران کی مبینہ خلاف ورزیوں کے خلاف مؤثر اقدامات اٹھانے اور آبی گزرگاہوں، خصوصاً توانائی اور خوراک کی ترسیل کے راستوں کی حفاظت کو یقینی بنانے کی ضرورت پر بھی زور دیا۔ اقوام متحدہ میں سعودی عرب کے مستقل مندوب ڈاکٹر عبدالعزیز الواصل نے سلامتی کونسل سے خطاب میں کہا کہ خلیج عرب کے خطے میں تیزی سے بدلتی صورتحال نے آبنائے ہرمز کے گرد ایک غیر معمولی تنازعہ کو جنم دیا ہے، جو نہ صرف خطے بلکہ عالمی معیشت کیلئے بھی ایک اہم شریان کی حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے خبردار کیا کہ اس اسٹریٹجک گزرگاہ میں جہاز رانی کی آزادی کو لاحق کسی بھی خطرے کے براہِ راست اثرات عالمی توانائی منڈیوں، سپلائی چینز اور مجموعی عالمی اقتصادی استحکام پر مرتب ہوں گے۔ الواصل نے اس امر پر افسوس کا اظہار بھی کیا کہ سلامتی کونسل آبنائے ہرمز سے متعلق قرارداد منظور کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ سعودی مندوب نے ایران پر زور دیا کہ وہ اپنی بین الاقوامی ذمہ داریوں کو پورا کرے اور آبنائے ہرمز یا باب المندب میں عالمی جہاز رانی میں رکاوٹ ڈالنے یا سمندری سلامتی کو خطرے میں ڈالنے سے گریز کرے۔

عراقچی کا تہران کیلئے ماسکو کی حمایت کا خیر مقدم

ماسکو: (ایجنسیاں)
روسی صدر ولادیمیر پوتن سے ملاقات کے بعد ایرانی وزیر خارجہ عباس عراقچی نے ایران، اسرائیل اور امریکہ کے درمیان جنگ کے خاتمے کیلئے سفارتی کوششوں میں ماسکو کی حمایت کا خیر مقدم کیا ہے۔ گزشتہ روز روس کا دورہ کرنے والے عباس عراقچی نے دونوں ممالک کے تعلقات کی پائیداری کو سراہتے ہوئے 'ایکس' پر اپنے بیان میں کہا کہ حالیہ واقعات نے دونوں ممالک کی اسٹریٹجک شراکت داری کی گہرائی کو ثابت کر دیا ہے۔ اس ملاقات میں روسی غیر ملکی فوجی انٹیلی جنس (GRU) کے سربراہ ایگور کوستیوکوف کی موجودگی نے مبصرین کی توجہ حاصل کی ہے۔ ایرانی تجزیہ نگار حمید رضا عزیزی کے مطابق یہ ملاقات محض جنگ بندی یا نیوکلیئر فائل تک محدود نہیں تھی، بلکہ امکان ہے کہ اس میں امریکی افواج کی نقل و حرکت اور جنگ کے دوبارہ آغاز کے خدشات سے متعلق انٹیلی جنس معلومات کا تبادلہ بھی کیا گیا ہے۔ روسی سلامتی کونسل نے حال ہی میں خبردار کیا تھا کہ امریکہ اور اسرائیل جنگ بندی کو دوبارہ صف بندی اور ایران کے خلاف نئی کارروائی کیلئے استعمال کر سکتے ہیں۔ ماسکو نے مشرق وسطیٰ میں استحکام کیلئے ثالثی کی پیشکش کی ہے اور وہ ایران پر ہونے والے امریکی و اسرائیلی حملوں کی سخت مذمت کر چکا ہے۔ روس نے کشیدگی کم کرنے کیلئے ایرانی افزودہ یورینیم کو اپنے ہاں ذخیرہ کرنے کی تجویز بھی دی، جسے امریکہ مسترد کر چکا ہے۔ روسی وزیر دفاع آندرے بیلوسوف نے کرغزستان میں ایرانی نائب وزیر دفاع رضا طلائی نیک سے ملاقات کی اور اس عزم کا اعادہ کیا کہ جنگ کا حل صرف سفارتی ذرائع سے ہی ممکن ہے۔ طلائی نیک نے بیلاروس کا بھی دورہ کیا جہاں انہوں نے مشرق وسطیٰ کی صورتحال پر تبادلہ خیال کیا۔ فریقین نے سیاسی تصفیے کی راہ پر واپسی اور مذاکراتی عمل کو تیز کرنے پر اتفاق کیا۔ سینٹ پیٹرزبرگ میں ملاقات کے دوران صدر پوتن نے ایرانی عوام کی آزادی کیلئے جدوجہد کی تعریف کی اور تہران کو ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا۔
پوتن نے بتایا کہ انہیں گزشتہ ہفتے ایرانی سپریم لیڈر مجتبیٰ خامنہ ای کی جانب سے ایک پیغام موصول ہوا ہے، جو کہ اپنے والد کے جانشین کے طور پر تقرری کے بعد سے منظر عام پر نہیں آئے ہیں۔ پوتن نے عباس عراقچی کے ذریعے سپریم لیڈر کیلئے نیک خواہشات کا پیغام بھی بھیجا۔ ادھر امریکی صدر ڈونالڈ ٹرمپ نے جنگ ختم کرنے کی حالیہ ایرانی تجویز پر شکوک و شبہات کا اظہار کیا ہے۔ اس ایرانی منصوبے میں آبنائے ہرمز کو کھولنے اور جنگ کے خاتمے کی پیشکش کی گئی ہے، جس کے بعد متنازع نیوکلیئر پروگرام پر امریکی فریق کے ساتھ مذاکرات شروع کیے جانے کا امکان ہے

عوامی خریداری سے متعلق آرڈیننس جاری

کاٹھمانڈو — صدر رام چندر پوڈیل نے عوامی خریداری سے متعلق آرڈیننس جاری کر دیا ہے۔
صدر کے دفتر نے بتایا ہے کہ صدر پوڈیل نے حکومت کی سفارش پر عوامی خریداری (دوسری ترمیم) آرڈیننس، ۲۰۸۳ جاری کیا ہے۔

۱۰۰ روپے کی حد پر سرحدی تنازعہ: سپریم کورٹ نے حکومت سے جواب طلب کر لیا

مولانا مشہود خاں نیپالی
نیپال اردو ٹائمز
لمبنی پریدیش

سپریم کورٹ آف نیپال نے نیپال بھارت سرحدی ناکوں سے گھریلو استعمال کے لیے ۱۰۰ روپے سے زائد مالیت کے سامان پر بھنسار (کسٹم ڈیوٹی) عائد کرنے کے حکومتی فیصلے کے خلاف دائر رٹ پر حکومت سے وضاحت طلب کر لی ہے۔ عدالت نے اس حوالے سے حکومت کے نام وجہ بتاؤ نوٹس جاری کیا ہے۔
یہ رٹ وکیلوں اینتیش پنڈت، آکاش مہتو، سوگیا سنگھ اور پرشانت وکرم شاہ کی جانب سے دائر کی گئی تھی۔ جسٹس نرپدھوج نیرولا کی سنگل بینچ نے ابتدائی سماعت کے بعد حکومت سے تحریری جواب طلب کرتے ہوئے معاملے کو عبوری حکم پر مزید بحث کے لیے مقرر کرنے کی ہدایت دی ہے۔ درخواست گزاروں کا مؤقف ہے کہ نیپال چین سرحدی ناکوں اور تری بھون انٹرنیشنل ایئرپورٹ سے آنے والے مسافروں کے لیے رعایتی حد زیادہ ہے، جبکہ بھارت کے ساتھ کھلی سرحد پر صرف ۱۰۰ روپے کی حد مقرر کرنا شہریوں کے ساتھ جغرافیائی اور طبقاتی امتیاز کے مترادف ہے، خاص طور پر ترائی اور میدانی علاقوں کے رہائشیوں کے لیے رِٹ میں کہا گیا ہے کہ موجودہ مہنگائی کے دور میں ۱۰۰ روپے میں روزمرہ استعمال کی کوئی بھی چیز خریدنا ممکن نہیں، اس لیے یہ حد غیر عملی اور غیر منطقی ہے۔
اس فیصلے کے باعث سرحدی علاقوں کے عوام کو سبزی، ادویات اور کپڑے جیسی بنیادی اشیاء لاتے وقت بھی بھنسار اہلکاروں کی جانب سے مشکلات اور ہراسانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔
درخواست میں یہ بھی استدعا کی گئی ہے کہ مقدمے کے حتمی فیصلے تک سرحدی شہریوں کو روزمرہ استعمال کی اشیاء اور شادی یا سماجی تقریبات کے لیے لائے جانے والے سامان پر کسی قسم کی رکاوٹ نہ ڈالی جائے اور نہ ہی بھنسار وصول کیا جائے۔
مزید کہا گیا ہے کہ ۱۹۶۰ کے نیپال بھارت تجارتی معاہدے کے مطابق دونوں ممالک کے درمیان اشیاء کی آزادانہ نقل و حرکت ہونی چاہیے، تاہم موجودہ پالیسی اس معاہدے کی روح کے منافی قرار دی جا رہی ہے۔ مولانا مشہود خاں نیپالی

ایک ہی خاندان کے چار افراد رات تربوز کھانے سے جاں بحق ہو گئے۔

نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
سید ظہیر احمد فنا

واقعے کی تفصیلات
مقام: جنوبی ممبئی کا علاقہ پائیدھونی۔
متاثرین: ۴۰ سالہ عبداللہ عبدالقادر، ان کی اہلیہ ۳۵ سالہ نسرین، اور دو بیٹیاں عائشہ (۱۶ سال) اور زینب (۱۳ سال)۔
ماجرا: ۲۵ اپریل کی رات عبداللہ کے خاندان نے رشتہ داروں کے ساتھ بریانی کھائی۔ رشتہ داروں کے جانے کے بعد، رات تقریباً ۱:۳۰ بجے خاندان کے ان چاروں افراد نے تربوز کھایا۔

طبی علامات اور اموات
تربوز کھانے کے کچھ دیر بعد ہی ان سب کے پیٹ میں شدید درد شروع ہوا اور قے (الٹی) کی شکایات ہوئیں۔ ایک فیملی ڈاکٹر کو بلایا گیا جنہوں نے ابتدائی دوا دی، جس کے بعد وہ سب سو گئے۔
اگلی صبح دونوں بیٹیاں بے ہوشی کی حالت میں پائی گئیں۔ انہیں فوری طور پر جے جے ہسپتال (JJ Hospital) منتقل کیا گیا، جہاں ایک بیٹی کو مردہ قرار دے دیا گیا جبکہ دوسری چند گھنٹوں بعد انتقال کر گئی۔ بعد ازاں والدین کی حالت بھی بگڑ گئی اور وہ بھی جانبر نہ ہو سکے۔

موجودہ صورتحال
پولیس نے لاشوں کا پوسٹ مارٹم کروا لیا ہے اور فارنسک و ہسٹوپیتھالوجی رپورٹس کا انتظار کیا جا رہا ہے تاکہ موت کی اصل وجہ معلوم ہو سکے۔
تحقیقات اس پہلو پر کی جا رہی ہیں کہ آیا یہ فوڈ پوائزننگ (Food Poisoning) کا معاملہ ہے یا پھل میں کسی قسم کی آلودگی یا زہریلے اثرات موجود تھے۔
اہم نوٹ: اس قسم کے واقعات عموماً خوراک میں شدید بیکٹیریل انفیکشن یا کیمیائی ملاوٹ کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ پھل خریدتے اور کھاتے وقت ہمیشہ تازگی اور صفائی کا خاص خیال رکھیں۔

صدر نے آرڈیننس پر فیصلہ کرنے کے لیے قانون دانوں کو طلب کیا۔

شفیق رضا ثقافی

کاٹھمنڈو — صدر رام چندر پوڈیل نے حکومت کی طرف سے تجویز کردہ آرڈیننس پر مشورہ لینے کے لیے قانون دانوں کو مشاورت کے لیے بلایا ہے۔
ایک سینئر وکیل نے بتایا کہ صدر کے دفتر نے بدھ کو قانون دانوں کو جمعرات کی شام ۴ بجے حاضر ہونے کے لیے بلایا تھا۔ آئین کے ماہر وپن ادھیکاری نے اعتراف کیا کہ حکومت کی طرف سے چھ آرڈیننس تجویز کیے جانے کے بعد، شیتل نواس نے قانونی مشاورت کے لیے انہیں طلب کیا تھا۔
انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ بیر گنج میں ہیں اور حاضر نہیں ہو سکتے۔ صدر سابق اٹارنی جنرل، سینئر وکلاء اور آئینی قانون کے ماہرین سے یہ رائے لینے لگے ہیں کہ آرڈیننس جاری کیا جانا چاہیے یا نہیں۔ حکومت کی جانب سے پارلیمانی عمل کو نظر انداز کرتے ہوئے قانون میں ترمیم کے لیے ایک کے بعد ایک آرڈیننس بھیجنے کے بعد صدر فیصلہ نہیں کر سکے۔ پیر کو دو آرڈیننس کے صدر، جو کہ زیرِ مطالعہ ہونے کا کہہ رہے ہیں، فیصلہ کرنے سے قبل قانون دانوں سے مشاورت کا ارادہ رکھتے ہیں۔ کابینہ نے پیر کو آئینی کونسل (فرائض، اختیارات اور طریقہ کار) سے متعلق قانون، ۲۰۶۶ اور کوآپریٹو قانون، ۲۰۷۵ میں ترمیم کے لیے آرڈیننس کی سفارش کی تھی۔ منگل کو یونیورسٹی قانون، صحت سائنس انسٹی ٹیوٹ قانون اور کچھ نیپالی قوانین میں ترمیم کے لیے آرڈیننس کی سفارش کی گئی۔
صدر کے دفتر کے ایک اہلکار کے مطابق، ملازمین کو آگاہ کیا گیا ہے کہ ابھی مزید کچھ آرڈیننس آنے والے ہیں۔
کچھ نیپالی قوانین کے تحت ۲۰ قوانین میں ترمیم کے لیے آرڈیننس کی سفارش کی گئی ہے۔ ان میں تعلیم، سول سروس، مال گزاری، زمین (ناپ)، تکنیکی تعلیم و پیشہ ورانہ تربیت کونسل، شہری سرمایہ کاری فنڈ، نیپال سائنس و ٹیکنالوجی اکیڈمی قانون شامل ہیں۔ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن، صحت سروس، غیر ملکی روزگار، فیڈرل پارلیمنٹ سیکرٹریٹ، زمین کے استعمال، جنگلات، عوامی خریداری، بیمہ جیسے قوانین کو بھی آرڈیننس کے ذریعے ترمیم کیا جا رہا ہے۔

پارلیمنٹ میں دو تہائی، آرڈیننس کے ذریعے حکمرانی

شفیق رضا ثقافی

کاٹھمانڈو: پارلیمنٹ میں دو تہائی، آرڈیننس کے ذریعے حکمرانی: اکثریت والی راشٹریہ سوانتنتر پارٹی (RSWP) حکومت نے قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر کے آرڈیننس کے ذریعے حکومت چلانے کی کوشش کر رہی ہے۔ پیر کے روز کے اجلاس نے آئینی کونسل اور مسائل کا شکار کوآپریٹو سوسائٹیز کے اراکین کی بچت کی واپسی سے متعلق قوانین میں ترمیم کے لیے آرڈیننس لانے کا فیصلہ کیا اور اسے صدر کے دفتر بھیج دیا ہے۔ صدر رام چندر پاوڈیل کے پریس مشیر کرن پوکھریل نے کانتی پور کو بتایا کہ موصول ہونے والے آرڈیننس کا مطالعہ کیا جا رہا ہے۔ ۱۷ گتے بیساکھ کو طلب کیا گیا پارلیمنٹ اجلاس حکومت نے چوبیس گھنٹے کے اندر ملتوی کر دیا تھا، اس وقت حکومت نے یہ دلیل دی تھی کہ پارلیمنٹ سیکرٹریٹ کی تیاری مکمل نہ ہونے کی وجہ سے اسے چند روز کے لیے ملتوی کیا گیا ہے۔ لیکن پیر کو صدر کے پاس دو آرڈیننس پہنچنے کے بعد حکومت نے جو پارلیمنٹ کا اجلاس بلایا تھا اسے ملتوی کرنے کا مقصد واضح ہو گیا ہے۔ حکومت نے آرڈیننس لانے کے لیے پہلے سے طلب کیا گیا اجلاس بھی ملتوی کر دیا تھا، یہ اب واضح ہو گیا ہے، ورنہ حکومت کو اس کا جواب دینا پڑے گا،" آئینی ماہر وپن ادھیکاری نے کہا، "اتنی بڑی پارٹی کی قیادت میں حکومت پارلیمنٹ میں ہے، انہیں پارلیمنٹ کو چکما نہیں دینا چاہیے تھا۔ انہیں پارلیمانی عمل کی بہترین روایت قائم کرنی چاہیے تھی۔" آئین کے آرٹیکل ۱۱۴ میں یہ سسٹم ہے کہ 'وفاقی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کا اجلاس جاری ہونے کے علاوہ کسی اور صورتحال میں فوری طور پر کچھ کرنے کی ضرورت ہو تو کابینہ کی سفارش پر صدر آرڈیننس جاری کر سکتے ہیں۔' آئین کے اس شق میں آرڈیننس لانے کے لیے دو لازمی شرائط مقرر کی گئی ہیں۔ پہلا، پارلیمنٹ کا اجلاس جاری نہ ہو۔ دوسرا، 'فوری طور پر کچھ کرنے کی ضرورت' ہو۔ اگر پارلیمنٹ کا اجلاس جاری نہ ہو لیکن 'فوری طور پر کچھ کرنے کی ضرورت' نہ ہو، تو حکومت آرڈیننس نہیں لا سکتی۔ قانون کی وزیر شوبیتا گوتم نے کانتی پور کو بتایا کہ خالی چیف جسٹس کی تقرری کے لیے یہ بہت ضروری تھا، اس لیے آئینی کونسل سے متعلق ایکٹ میں اس خالی جگہ کو پُر کرنے کے لیے فی الحال آرڈیننس لانا پڑا ہے۔

چالیس سے زیادہ قوانین پر آرڈیننس کے ذریعے نظر ثانی جاری

نیپال اردو ٹائمز
شفیق رضا ثقافی

کاٹھمانڈو - حکومت پارلیمانی عمل کو نظر انداز کرتے ہوئے قوانین میں ترمیم کے لیے ایک کے بعد ایک آرڈیننس منظور کر رہی ہے۔ کابینہ نے پیر کو صدر کے دفتر میں دو آرڈیننس بھیجے، اور منگل کو مزید تین آرڈیننس کی سفارش کی۔ تاہم، صدر نے ابھی تک آرڈیننس جاری نہیں کیے ہیں۔
کابینہ نے پیر کو آئینی کونسل (کام، اختیارات اور طریقہ کار) سے متعلق ایکٹ، ۲۰۶۶ اور کوآپریٹو ایکٹ، ۲۰۷۵ میں ترمیم کے لیے آرڈیننس کی سفارش کی تھی۔ منگل کو، یونیورسٹی ایکٹ، ہیلتھ سائنسز اکیڈمی ایکٹ اور کچھ نیپالی قوانین میں ترمیم کے لیے آرڈیننس کی سفارش کی گئی۔ صدر کے دفتر کے حکام کے مطابق، عملے کو مطلع کیا گیا ہے کہ مزید کچھ آرڈیننس آئیں گے۔ وزیر اعظم کی پریس اور تحقیق کی ماہر دیپا دہال کے مطابق، کچھ نیپالی قوانین کے تحت ۲۰ قوانین میں ترمیم کے لیے ایک آرڈیننس کی سفارش کی گئی ہے۔ ان میں تعلیم، سول سروس، مال گزاری، زمین (سروے)، تکنیکی تعلیم اور پیشہ ورانہ تربیت کونسل، سول انویسٹمنٹ فنڈ، اور نیپال سائنس اور ٹیکنالوجی اکیڈمی ایکٹ شامل ہیں۔ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن، صحت کی خدمات، غیر ملکی روزگار، وفاقی پارلیمانی سکریٹریٹ، زمین کا استعمال، جنگلات، عوامی خریداری، اور بیمہ جیسے قوانین میں بھی آرڈیننس کے ذریعے ترمیم کی جا رہی ہے۔ وزیر اعظم کے دفتر کے ایک اہلکار کے مطابق، یونیورسٹیوں سے متعلق کچھ قوانین میں ترمیم کے لیے ایک آرڈیننس کی بھی سفارش کی گئی ہے، جس میں ۱۶ یونیورسٹیوں کے قوانین شامل ہیں۔ اسی طرح، صحت سائنس اکیڈمیوں سے متعلق کچھ قوانین میں ترمیم کے لیے آرڈیننس کے ذریعے ۷ اکیڈمیوں کے قوانین میں ترمیم کی جا رہی ہے۔
ان اہلکاروں نے بتایا کہ یونیورسٹیوں اور اکیڈمیوں میں موجود عہدیداروں کی مدت ملازمت کو ختم کرنے سے متعلق انتظام میں آرڈیننس کے ذریعے ترمیم کی جا رہی ہے۔ تمام یونیورسٹیوں اور اکیڈمیوں میں وائس چانسلر اور رجسٹرار کا انتظام ہے، اور کچھ میں ریکٹر کا عہدہ بھی ہے۔ قانون کے مطابق ان سب کی مدت ملازمت چار سال مقرر ہے۔ وزیر اعظم کے دفتر کے ایک اہلکار نے بتایا کہ آرڈیننس کے ذریعے یونیورسٹیوں اور صحت سائنس اکیڈمیوں کے عہدیداروں کی مدت ملازمت کو ختم کر کے نئے عہدوں کی تکمیل کا راستہ کھولنے کے لیے قانون میں ترمیم کی جا رہی ہے۔
انہوں نے کہا، "آرڈیننس میں عہدیداروں کی مدت کار کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا ہے۔"

جھاپا میں سرکاری زمین پر قائم سُکومباسی بستیوں کا ریکارڈ جمع کرنے کا آغاز۔

رضوان احمد مصباحی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز

جھاپا: ضلع جھاپا میں سرکاری زمین پر قائم سُکومباسی (بے گھر افراد) کی بستیوں کی تفصیلات جمع کرنے کا باضابطہ عمل شروع کر دیا گیا ہے۔ یہ اقدام پولیس ہیڈ کوارٹر (انسپکٹر جنرل پولیس کے سیکریٹریٹ) کی ہدایت پر کیا جا رہا ہے، جس کے تحت ضلع پولیس دفتر جھاپا کو ہدایت دی گئی ہے کہ سرکاری زمین پر قائم تمام بستیوں اور وہاں مقیم افراد کا مکمل ریکارڈ تیار کیا جائے۔ ضلع پولیس دفتر نے اس سلسلے میں اپنے ماتحت تمام پولیس یونٹس کو ہدایت جاری کی ہے کہ وہ اپنے اپنے دائرہ اختیار میں واقع میونسپلٹی اور دیہی بلدیاتی اداروں کے ساتھ قریبی رابطہ قائم کریں اور مطلوبہ تفصیلات جلد از جلد جمع کر کے رپورٹ پیش کریں۔
خصوصی ہدایت کے تحت انارمُنی، دمک، کاکر بھٹہ، گوری گنج، جھلجھلے، فل باری، بھدرپور، بنیانی، ہلدی باری اور کمر کھود کے پولیس دفاتر کو کہا گیا ہے کہ وہ سرکاری، عوامی (ایلانی/پرتی) اور گُٹھی ادارے کی زمین پر قائم بستیوں کی الگ الگ تفصیلات فراہم کریں۔
ذرائع کے مطابق ضلع پولیس دفتر نے بیساکھ ۱۰ کو اپنے ماتحت دفاتر کو خط ارسال کرتے ہوئے فوری رپورٹ طلب کی تھی، تاہم عملی طور پر پیر کے روز متعلقہ بلدیاتی اداروں سے رابطہ کر کے معلومات اکٹھی کرنے کا عمل شروع کیا گیا۔
برٹاموڑ وارڈ نمبر ۵ کے چیئرمین روہت پرسائی کے مطابق سُکومباسی خاندانوں کی مکمل تفصیلات جمع کرنے میں چند دن لگ سکتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ برٹاموڑ-۵ میں سب سے زیادہ سُکومباسی آباد ہیں، جہاں تقریباً ۳۵۲ خاندان سرکاری زمین پر رہائش پذیر ہیں۔
ضلع پولیس دفتر جھاپا کے ترجمان ڈی ایس پی کھگے ندر بہادر کھڑکا کے مطابق اب تک دو بلدیاتی اداروں نے اپنی رپورٹ جمع کرا دی ہے، جبکہ دیگر اداروں سے بھی جلد معلومات موصول ہونے کی توقع ہے۔

آل نیپال فٹ بال ایسوسی ایشن کے صدر سمیت تمام عہدیداروں کے بیرون ملک سفر پر پابندی

نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
احمد رضا ابن عبدالقادر اویسی
کاٹھمانڈو

آل نیپال فٹ بال ایسوسی ایشن (اے این ایف اے) کے صدر پنکج وکرم نیمبنگ سمیت ۲۴ عہدیداروں کے پاسپورٹ کو بلیک لسٹ کر دیا گیا ہے اور ان کے غیر ملکی سفر پر پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ محکمہ امیگریشن کے مطابق جمعہ کو ای این ایف اے کے ۲۴ اہلکاروں کے پاسپورٹ بلیک لسٹ کرنے کی درخواست موصول ہوئی تھی جس کی بنیاد پر یہ کارروائی کی گئی۔
یہ خط نیپال کی نوجوانوں اور کھیلوں کی وزارت کے ذریعے وزارت داخلہ تک پہنچا۔ وزارت داخلہ کے امیگریشن ڈپارٹمنٹ کو لکھے گئے خط کے بعد اتوار کو ای این ایف اے حکام کے پاسپورٹ بلیک لسٹ کر دیے گئے۔ اس سے قبل نیپال نیشنل اسپورٹس کونسل نے اے این ایف اے سے متعلق معاملات کی تحقیقات کے لیے ایک تین رکنی انکوائری کمیٹی تشکیل دی تھی، جس کی صدارت ایگزیکٹو ممبر کمل بھٹارائی کر رہے تھے۔
بھٹارائی کے مطابق، کمیٹی نے مالی معاملات کی تحقیقات کے حصے کے طور پر نیبنگ اور دیگر حکام کے پاسپورٹ کو بلیک لسٹ کرنے کے لیے کمیٹی کو لکھا تھا محکمہ امیگریشن کا کہنا ہے کہ اگر بلیک لسٹ میں شامل کوئی بھی شخص بیرون ملک جانے کی کوشش کرتا ہے تو محکمہ امیگریشن متعلقہ ادارے کو اس سے آگاہ کرے گا۔

نیپال میں مَین پاور کمپنیوں کے لیے نئی ہدایات

پریس ریلیز — نیپال اردو ٹائمز۔ کاٹھمنڈو: نیپال میں مَین پاور کمپنیوں کے لیے نئی ہدایات جاری کر دی گئی ہیں، جن کے تحت اب وہ بیرونِ ملک جانے والے مزدوروں سے سروس فیس صرف بینکنگ نظام کے ذریعے ہی وصول کر سکیں گی۔ वैदेशिक रोजगार विभाग (محکمۂ بیرونِ ملک روزگار) نے ایک باضابطہ نوٹس جاری کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ نقد لین دین (کیش ٹرانزیکشن) کی اجازت نہیں ہوگی۔ اگر کوئی کمپنی اس ہدایت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نقد رقم وصول کرتی ہے تو اس کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔ محکمہ کا کہنا ہے کہ اس فیصلے کا مقصد شفافیت کو یقینی بنانا اور مزدوروں کو ممکنہ دھوکہ دہی سے بچانا ہے، کیونکہ نقد لین دین میں بدعنوانی اور فراڈ کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ محکمہ کے مطابق خلیجی ممالک جانے والے نیپالی مزدوروں سے زیادہ سے زیادہ ۱۰ ہزار روپے سروس فیس وصول کی جا سکتی ہے۔ مزدوروں کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ بینک کے ذریعے کی گئی ادائیگی کا ریکارڈ، رسیدیں اور آن لائن ٹرانزیکشن کی تفصیلات محفوظ رکھیں۔ مزید برآں، ملیشیا کے ساتھ "زیرو کاسٹ" (بلا معاوضہ) معاہدہ نافذ ہے، جبکہ یورپ سمیت دیگر ممالک کے لیے سروس فیس کی واضح حد مقرر نہیں کی گئی ہے۔ ماہرین کے مطابق یہ اقدام مزدوروں کے حقوق کے تحفظ اور نظام کو مزید منظم بنانے کی جانب ایک اہم پیش رفت ہے۔

مدارس کی تفصیلات کی فراہمی متعلق مسلم آیوگ کی اہم ہدایت جاری

मुस्लिम आयोग
जावलाखेल, ललितपुर
नेपाल

मदरसाहरू तथा मदरसा संचालनको व्यवस्थापन सम्बन्धी विवरण उपलब्ध गराउन पुन ताकेता सम्बन्धी अत्यन्त जरुरी सूचना।

मदरसाहरूको संस्थागत सुदृढीकरण, पारदर्शिता र व्यवस्थित संचालनका लागि नीतिगत खाका तयार गर्न प्रधानमन्त्री तथा मन्त्रिपरिषद्को कार्यालयबाट माग भए बमोजिम १० दिनभित्र निर्धारित ढाँचामा विवरण उपलब्ध गराउन सूचना प्रकाशन गरिएकोमा कतिपय पालिकाहरुबाट हालसम्म पनि विवरण प्राप्त हुन नआएकोले निर्धारित ढाँचामा मदरसाहरुको विस्तृत विवरण आयोगको इमेल ठेगाना muslimcomission.nepal@gmail.com मा यो सूचना प्रकाशन भएको मितिले ३ दिन भित्र उपलब्ध गराई दिनुहुन सम्बन्धित स्थानीय तहहरुको जानकारीका लागि यो सूचना प्रकाशित गरिएको छ।

मिति: २०८३/०१/११ गते शुक्रबार

نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
کاٹھمانڈو

مسلم آیوگ نیپال نے ملک بھر کے مدارس اور ان کے انتظامی ڈھانچے سے متعلق ایک نہایت اہم اور لا فوری نوعیت کی ہدایت جاری کی ہے، جس کے تحت تمام متعلقہ اداروں کو مقررہ مدت کے اندر اپنی مکمل تفصیلات فراہم کرنے کا پابند بنایا گیا ہے۔ جاری کردہ اعلامیے کے مطابق مدارس کے نظام میں بہتری، شفافیت کے فروغ اور انتظامی امور کو منظم خطوط پر استوار کرنے کے پیش نظر یہ اقدام اٹھایا گیا ہے۔ اس سلسلے میں وزیر اعظم کے دفتر اور کابینہ کی ہدایات پر مدارس سے متعلق جامع ڈیٹا جمع کرنے کا عمل شروع کیا گیا ہے، تاکہ ایک واضح، مؤثر اور مربوط پالیسی تشکیل دی جاسکے۔ اعلامیے میں یہ بھی نشاندہی کی گئی ہے کہ متعدد مقامی سطح کے اداروں کی جانب سے تاحال مطلوبہ معلومات فراہم نہیں کی گئیں، جس کے باعث اس اہم قومی عمل میں تاخیر اور مشکلات پیش آرہی ہیں۔ اس تناظر میں تمام مدارس کے منتظمین کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ اس نوٹس کے اجرا کی تاریخ سے تین دن کے اندر اپنی مکمل معلومات آیوگ کے ای میل

muslimcommission.nepal
@gmail.com

ارسال کر دیں ایک ملاقات میں مسلم آیوگ کے صدر محمد دین نے کہا مسلم آیوگ نے خبردار کیا ہے کہ مقررہ مدت میں معلومات فراہم نہ کرنے والے اداروں کے خلاف ضابطے کے مطابق مزید کارروائی عمل میں لائی جاسکتی ہے۔ لہٰذا تمام ذمہ داران سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ اس اہم قومی ذمہ داری کو سنجیدگی سے لیتے ہوئے بھرپور تعاون کو یقینی بنائیں ۔ یہ ہدایت ۲۰۸۳/۱/۱۱ (جمعہ) کو مسلم کمیشن کی جانب سے جاری کی گئی ہے، جے تعلیمی نظام میں بہتری، شفافیت اور نظم وضبط کے قیام کی جانب ایک مثبت اور اہم پیش رفت قرار دیا جارہا ہے۔

حکومت کی جانب سے ۱۶ اہم آرڈیننسز کی سفارش

رضوان احمد مصباحی
نیپال اردو ٹائمز

حکومت نے مختلف شعبوں میں اصلاحات کے لیے ۱۶ اہم آرڈیننسز کی سفارش کی ہے، جن کا مقصد شفافیت، بہتری اور نظام کو مؤثر بنانا ہے۔

تفصیلات کے مطابق:

۱. آئینی کونسل سے متعلق آرڈیننس۔ اس آرڈیننس کے تحت آئینی اداروں میں تقرری کے عمل کو منظم اور شفاف بنایا جائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ اجلاسوں اور سفارشات کے طریقہ کار کو بھی بہتر کیا جائے گا تاکہ فیصلہ سازی زیادہ مؤثر ہوسکے۔

۲. کوآپریٹو ایکٹ ترمیمی آرڈیننس ۔بچت اور قرض فراہم کرنے والی کوآپریٹو سوسائٹیز کو سخت ضوابط کے تحت لایا جائے گا۔ لائسنس کا حصول لازمی قرار دیا جائے گا، جبکہ مسائل کا شکار سوسائٹیز کے چھوٹے سرمایہ کاروں کو رقم کی واپسی کے لیے "چکرے ریلیف فنڈ" قائم کیا جائے گا۔

۳. یونیورسٹی اور انسٹی ٹیوٹ آف ہیلتھ سائنسز آرڈیننس

اس آرڈیننس کے ذریعے جامعات اور طبی اداروں میں سیاسی بنیادوں پر ہونے والی تقرریوں اور نامزدگیوں کا جائزہ لیا جائے گا، اور انہیں نئے نظام کے مطابق ڈھالا جائے گا تاکہ تعلیمی معیار کو بہتر بنایا جاسکے۔

۴. بعض نیپال ایکٹ ترمیمی آرڈیننس ۔ اس کے تحت تقریباً ۲۰ قوانین میں ترمیم کی تجویز دی گئی ہے۔ زمین، نقشہ بندی (ناپی)، ٹرانسپورٹ، تعلیم، جنگلات، صحت، سول اور انشورنس سمیت مختلف شعبوں میں موجود قانونی رکاوٹوں کو دور کیا جائے گا۔

۵. عوامی عہدیداروں کی برطرفی سے متعلق آرڈیننس سیاسی بنیادوں پر تعینات کیے گئے عوامی عہدیداروں کو ہٹانے کے لیے خصوصی انتظامات کیے جائیں گے، تاکہ اداروں کو غیر جانبدار بنایا جاسکے۔

۶. پبلک پروکیورمنٹ ایکٹ ترمیمی آرڈیننس۔ سرکاری تعمیرات اور خریداری کے عمل کو تیز، مؤثر اور بروقت بنانے کے لیے اس قانون میں ترمیم کی جائے گی، جس سے ترقیاتی منصوبوں میں تاخیر کم ہونے کی توقع ہے۔

ان آرڈیننسز کے نفاذ سے مختلف شعبوں میں اصلاحات اور حکومتی کارکردگی میں بہتری کی امید کی جارہی ہے۔

اخلاص کا زوال اور ریاکاری کا عروج: دورِ حاضر کا ایک روحانی بحران

از: مولانا محمد شمیم احمد نوری مصباحی: دار العلوم انوارِ مصطفیٰ سہلاؤ شریف، باڑمیر (راجستھان)

موجودہ دور انسانی تاریخ کے ان ادوار میں سے ہے جہاں ظاہری ترقی اپنی انتہا کو چھو رہی ہے۔ سائنسی ایجادات، ڈیجیٹل سہولتیں، اور معلومات کا سیلاب، یہ سب کچھ انسان کے تابع نظر آتا ہے۔ مگر اسی کے ساتھ ایک تلخ حقیقت یہ بھی ہے کہ انسان کا باطن زوال پذیر ہو چکا ہے۔ دل کی دنیا اجڑ رہی ہے، روحانیت دم توڑ رہی ہے، اور اعمال کی اصل روح یعنی اخلاص آہستہ آہستہ مٹتی جارہی ہے۔

یہ وہی اخلاص ہے جو عمل کو آسمانوں تک پہنچاتا ہے، اور جب یہی نہ رہے تو عمل محض ایک رسم بن کر رہ جاتا ہے۔ اس خلا کو پر کرنے کے لیے ریاکاری، نام و نمود، نمائش اور شہرت طلبی نے اپنی جڑیں مضبوط کرلی ہیں۔

اخلاص: دین کی بنیاد اور قبولیتِ عمل کا معیار

قرآنِ مجید نے بارہا اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں وہی عمل معتبر ہے جو خالص اس کی رضا کے لیے ہو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ" (سورۃ البینہ: ۵)

ترجمہ: اور انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ اللہ کی عبادت کریں، اسی کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے۔

یہ آیت نہ صرف عبادت بلکہ پوری زندگی کے لیے ایک اصول فراہم کرتی ہے کہ بندہ اپنے ہر قول و فعل کو اخلاص کے سانچے میں ڈھالے۔

اسی حقیقت کو نبی کریم ﷺ نے نہایت جامع انداز میں بیان فرمایا: "إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ" (صحیح بخاری، حدیث: ۱)

ترجمہ: اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔

یہ حدیث دراصل ایک ایسا ضابطہ ہے جس پر پورا دین قائم ہے۔ نیت اگر خالص ہو تو معمولی سا عمل بھی عند اللہ عظیم ہو جاتا ہے، اور اگر نیت میں کھوٹ ہو تو بڑے سے بڑے اعمال بھی بے وزن ہو جاتے ہیں۔

ریاکاری: شرکِ خفی اور اعمال کی تباہی

ریاکاری ایک ایسا مہلک مرض ہے جو انسان کے باطن کو کھوکھلا کر دیتا ہے۔ بظاہر وہ نیک نظر آتا ہے مگر حقیقت میں اس کا عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی قدر نہیں رکھتا۔

نبی کریم ﷺ نے اس کے بارے میں سخت تنبیہ فرمائی:

"أَخْوَفُ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الأَصْغَرُ"

مجھے تم پر سب سے زیادہ جس چیز کا خوف ہے وہ چھوٹا شرک ہے۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا: وہ کیا ہے؟

فرمایا: "الرِّيَاءُ" ریاکاری (مسند احمد)

ریاکاری کو "شرکِ اصغر" قرار دینا اس کی سنگینی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے عمل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک کر لیتا ہے۔۔۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے ساتھ ساتھ لوگوں کی تعریف بھی چاہتا ہے۔

ڈیجیٹل دور: اخلاص کے لیے ایک نیا چیلنج

موجودہ دور سوشل میڈیا کا زمانہ ہے، جہاں ہر لمحہ نمائش کا موقع فراہم کرتا ہے۔ اب انسان کے لیے نیکی کرنا مشکل نہیں، بلکہ نیکی کو چھپانا مشکل ہو گیا ہے۔

کسی غریب کی مدد کی جاتی ہے تو تصویر لازم سمجھی جاتی ہے، کسی دینی خدمت کو انجام دیا جاتا ہے تو اس کی تشہیر ضروری ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ عبادات بھی "اسٹیٹس" اور "اسٹوری" کا حصہ بن جاتی ہیں۔۔۔

یہ رویہ نہ صرف اخلاص کو نقصان پہنچاتا ہے بلکہ معاشرے میں ایک ایسی فضا قائم کرتا ہے جہاں نیکی کا معیار اخفاء نہیں بلکہ اظہار بن جاتا ہے۔

حالانکہ قرآن مجید نے واضح فرمایا: "وَإِن تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ" (سورۃ البقرہ: ۲۷۱)

ترجمہ: اور اگر تم صدقہ کو چھپا کر فقراء کو دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔

بے اخلاص اعمال کا ہولناک انجام:

صحیح احادیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن کچھ ایسے لوگ پیش کیے جائیں گے جن کے اعمال بظاہر بہت بڑے ہوں گے، مگر انہیں مسترد کر دیا جائے گا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا (مفہوم): ایک عالم، ایک سخی، اور ایک مجاہد۔۔۔ یہ تینوں اپنے اپنے اعمال کا ذکر کریں گے، مگر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم نے یہ سب لوگوں کو دکھانے کے لیے کیا، لہٰذا تمہیں دنیا میں ہی اس کا بدلہ مل چکا۔ (صحیح مسلم)

یہ روایت ہمیں جھنجھوڑ دیتی ہے کہ عمل کی عظمت نہیں بلکہ نیت کی سچائی اصل معیار ہے۔

اخلاص کے حصول کا عملی راستہ:

اخلاص محض ایک نظری تصور نہیں بلکہ ایک عملی جدوجہد ہے۔ اسے حاصل کرنے کے لیے درج ذیل امور ناگزیر ہیں:

۱. مسلسل محاسبۂ نفس:

اپنے ہر عمل کے پیچھے نیت کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ دل کو بار بار ٹٹولنا چاہیے کہ کہیں اس میں ریاکاری تو شامل نہیں ہو رہی۔

۲. خلوت کی زندگی سنوارنا:

جو انسان اپنی تنہائی کو پاکیزہ بنا لیتا ہے، وہی حقیقی اخلاص حاصل کرتا ہے۔ تنہائی میں کی گئی عبادت دل کو زندہ کرتی ہے۔

۳. اعمال کو مخفی رکھنا:

حتی الامکان اپنی نیکیوں کو چھپایا جائے۔ یہ عمل نہ صرف اخلاص کو بڑھاتا ہے بلکہ انسان کو تکبر سے بھی بچاتا ہے۔

۴. آخرت کا استحضار:

موت اور حساب کا تصور انسان کے دل میں اخلاص پیدا کرتا ہے۔ جب بندہ یہ سوچتا ہے کہ اسے اللہ رب العالمین کے سامنے پیش ہونا ہے تو وہ دکھاوے سے دور ہو جاتا ہے۔

۵. دعا اور اللہ سے تعلق:

اخلاص اللہ رب العزت کی عطا ہے، اس لیے اس کے لیے دعا کرنا ضروری ہے۔ دل کی اصلاح بغیر اللہ وحدہ لاشریک کی مدد کے ممکن نہیں۔

معاشرتی سطح پر اصلاح کی ضرورت:

ریاکاری کا یہ فتنہ صرف فرد تک محدود نہیں بلکہ پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے۔

اس لیے ضروری ہے کہ:

دینی ادارے اخلاص کی تعلیم کو عام کریں۔۔۔

خطباء اور واعظین اس موضوع کو اجاگر کریں، سادگی اور بے نامی کو بطورِ قدر فروغ دیا جائے، نوجوان نسل کی تربیت نیت کی اصلاح پر کی جائے۔۔۔

مزید قابلِ توجہ پہلو:

والدین اپنے بچوں کو ابتدا ہی سے نیت کی درستگی سکھائیں۔ سوشل میڈیا کے استعمال میں احتیاط اور نیت کی نگرانی کو لازم کیا جائے۔

نیکی کے بعد استغفار کیا جائے تاکہ ممکنہ ریا سے حفاظت ہو۔

حقیقی کامیابی کیا ہے؟

قرآن ہمیں یاد دلاتا ہے:

"يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ○ إِلَّا مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ" (سورۃ الشعراء: ۸۸-۸۹)

ترجمہ: جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ اولاد، مگر وہ شخص کامیاب ہوگا جو اللہ کے پاس سلامت دل لے کر حاضر ہوگا۔

یہی وہ معیار ہے جو ہمیں بتاتا ہے کہ کامیابی مال، شہرت یا تعریف میں نہیں بلکہ قلبِ سلیم میں ہے، اور قلبِ سلیم اخلاص کے بغیر ممکن نہیں۔

دعوتِ فکر و عمل:

اے اہلِ ایمان!

اب بھی وقت ہے کہ ہم اپنے دلوں کا محاسبہ کریں، اپنی نیتوں کو درست کریں، اور اپنی زندگی کو اخلاص کے سانچے میں ڈھالیں۔

ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ:

دنیا کی واہ واہی عارضی ہے

لوگوں کی تعریف بے حقیقت ہے۔۔۔

اصل کامیابی صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔

لہٰذا آئیے آج یہ عہد کریں کہ:

ہم ہر عمل سے پہلے اپنی نیت کو درست کریں گے، نیکی کو تشہیر کے بجائے اخلاص کے ساتھ انجام دیں گے۔ اور اپنی زندگی کا ہر لمحہ صرف رضائے الٰہی کے لیے وقف کریں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاصِ کامل عطا فرمائے، ریاکاری کے فتنے سے محفوظ رکھے، اور ہمارے اعمال کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت بخشے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

بھارت سے ۱۰۰ روپے سے زیادہ مالیت کے سامان پر کسٹم ڈیوٹی سے سرحدی بازاروں میں کم ہوئی بھیڑ

نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
کاٹھمانڈو

نیپال کی سرحد سے متصل ہندوستانی بازاروں سے خریدی جانے والی اشیاء پر صرف ۱۰۰ روپے کسٹم ڈیوٹی وصول کرنے کے اصول کو سختی سے لاگو کرنے کے بعد سرحدی بازاروں میں عام لوگوں کی بھیڑ کم ہوگئی ہے۔ ہندوستانی بازار سے ۱۰۰ روپے سے زیادہ مالیت کی درآمدی اشیا پر لازمی کسٹم ڈیوٹی کے نفاذ کے بعد سے سرحدی محافظوں اور عملے نے بیگ چیک سے لے کر مائیکروفون تک اپنی نفاذ کی کوششیں تیز کر دی ہیں۔ انتظامیہ کو امید ہے کہ غیر قانونی درآمدات کے خلاف اس کریک ڈاؤن سے پیشہ ورانہ اسمگلنگ میں کمی آئے گی۔ انتظامیہ کا دعویٰ ہے کہ پیشہ ورانہ اسمگلنگ جس میں گھریلو استعمال کے نام پر تجارتی مقاصد کے لیے بھارت سے سامان خریدنا اور بار بار سامان کی نقل و حمل کے لیے بھارتی مارکیٹ جانا شامل ہے، اب کم ہونا شروع ہوگئی ہے۔ دو سال قبل بھی کچھ کسٹم دفاتر میں ایسا نظام نافذ کیا گیا تھا لیکن نیپال کے مقامی لوگوں کے دباؤ کی وجہ سے محکمہ کسٹم اور انتظامیہ پیچھے ہٹ گئی تھی۔ تاہم اس بار حکومت کی سخت ہدایات کے بعد تمام سرحدی چوکیوں پر لازمی کسٹم نافذ کر دیا گیا ہے۔ بھیرہوا کسٹمز کے سربراہ

ہریہر پوڈیل نے کہا کہ فی الحال سرحدی چوکیوں پر سخت پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں، اور جو بھی ۱۰۰ روپے سے زیادہ مالیت کا سامان لائے گا اسے کسٹم ڈیوٹی ادا کرنا ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ یہ قدم گھریلو استعمال کی آڑ میں مرکزی سرحدی چوکیوں پر مسافروں کی طرف سے بڑے پیمانے پر درآمدات کو روکنے اور کھلی سرحد کے پار اسمگلنگ پر قابو پانے کے لیے اٹھایا گیا ہے۔ اسی طرح نیپال گنج کسٹمز کے چیف جناردن پاڈیل نے کہا کہ لازمی کسٹم پالیسی سے ملک کی آمدنی میں اضافہ ہوگا، اس لیے حکومت نے اسے سختی سے نافذ کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت کو اس فیصلے سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے۔ اگر عوامی بیداری کو بڑھا کر اس اصول کو موثر طریقے سے لاگو کیا جائے تو ملک کو خاطر خواہ ریونیو حاصل ہو سکتا ہے۔

شائع کردہ:
علما کونسل نیپال
ہیڈ آفس کاٹھمانڈو

نئی دہلی میں ۲۸-۳۱ مئی کو ہندوستان-افریقہ فورم چوٹی کانفرنس کا انعقاد، وزیر خارجہ شرکت کریں گے

نمائندہ نیپال اردو ٹائمز: احمد رضا ابن عبد القادر اویسی

کاٹھمانڈو: وزیر خارجہ ششیر کھنال ۲۸-۳۱ مئی کو نئی دہلی میں منعقد ہونے والی چوتھی ہندوستان افریقہ فورم سمٹ میں شرکت کریں گے۔ وزارت خارجہ کے ایک اہلکار نے بتایا کہ نئی دہلی میں ہونے والی چوٹی کانفرنس کے دوران ۲۸ مئی کو سینئر حکام کی میٹنگ اور ۲۹ مئی کو وزرائے خارجہ کی میٹنگ ہوگی۔ تجارت، سرمایہ کاری کنیکٹیویٹی، توانائی کے تعاون اور گلوبل ساؤتھ کے ساتھ شراکت داری جیسے امور پر بات چیت کا امکان ہے۔ انڈیا-افریقہ فورم سمٹ میں افریقی ممالک کے سربراہان مملکت اور حکومت افریقی یونین کے نمائندے اور علاقائی تنظیموں کے نمائندے شرکت کرتے ہیں۔ اس تناظر میں نیپال سمیت کثیر شعبہ جاتی تکنیکی اور اقتصادی تعاون بمسٹیک) کے رکن ممالک کے لیے خلیج بنگال کے اقدام کے نمائندوں کو خصوصی دعوتیں بھیجی گئی ہیں۔ اس پلیٹ فارم کے ذریعے ہندوستان افریقی ممالک کے ساتھ ساتھ بحر ہند کے علاقے اور جنوبی ایشیا میں شراکت دار ممالک کے ساتھ اسٹریٹجک تعاون کو مضبوط بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ ہندوستان کے وزیر خارجہ ڈاکٹر ایس جے شنکر نے ۲۳ اپریل کو اپنے لوگو تھیم اور آفیشل ویب سائٹ کو لانچ کر کے کانفرنس کا باضابطہ اعلان کیا۔ بھارت میں تقریباً ایک دہائی کے بعد منعقد ہونے والی اس بڑی کانفرنس کو افریقہ اور پڑوسی خطے کے ممالک تک نئی دہلی کی سفارتی رسائی کو بڑھانے کی حکمت عملی کے طور پر دیکھا جارہا ہے۔

خصوصی کالم برائے مراسلات

معزز قارئین کرام: السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ نیپال اردو ٹائمز ہمالیہ کی وادیوں سے اردو صحافت کا روشن مینار ہے جس کے ذریعے سے ملک نیپال میں اردو صحافت کو فروغ دینے کے لیے ہماری ٹیم سرگرم عمل ہے، قارئین حضرات سے مؤدبانہ التماس ہے کہ اخبار کو پڑھیں اور اپنی آرا ہمیں ارسال فرما کر شکریہ کا موقع فراہم کریں۔

+9779701714929

بھارت کی نئی پالیسی نے نیپالی چائے کی برآمدات کو شدید بحران سے دوچار کر دیا۔

پریس ریلیز—نیپال اردو ٹائمز
رضوان احمد مصباحی

کاٹھمنڈو / ویراٹ نگر: بھارت کی نئی پالیسی نے نیپالی چائے کی برآمدات کو شدید بحران سے دوچار کر دیا ہے، جس پر صنعتکاروں اور کسانوں نے حکومت سے فوری سفارتی اقدامات کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔

اطلاعات کے مطابق Tea Board of India نے یکم مئی سے ایک نئی پالیسی نافذ کرنے کا اعلان کیا ہے، جس کے تحت نیپال سے بھارت جانے والی ہر چائے کی کھیپ (کنٹینر) کا لیبارٹری ٹیسٹ لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اس عمل کے تحت سرحدی علاقوں میں چائے کو روک کر نمونے کولکاتا بھیجے جائیں گے، جہاں سے رپورٹ آنے میں کم از کم دو ہفتے لگ سکتے ہیں۔

صنعتکاروں کا کہنا ہے کہ اس تاخیر کے دوران چائے خراب ہونے کا خدشہ بڑھ جاتا ہے، جبکہ اخراجات میں بھی نمایاں اضافہ ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ ایک نمونے کے ٹیسٹ پر ۱۲۰،۱۱ بھارتی روپے فیس

مقرر کی گئی ہے، اور اگر نمونہ ناکام ہو جائے تو دوبارہ ٹیسٹ کے لیے اضافی ۱۵ ہزار روپے ادا کرنا ہوں گے۔

کاروباری حلقوں نے اس اقدام کو "غیر اعلانیہ ناکہ بندی" قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس سے نہ صرف برآمدی عمل سست اور مہنگا ہوگا بلکہ نیپالی چائے بھارتی منڈی میں اپنی مسابقت بھی کھو سکتی ہے۔ ماہرین کے مطابق اس کا براہِ راست اثر کسانوں اور مزدوروں پر پڑے گا، جو پہلے ہی کم قیمت پر چائے بیچنے پر مجبور ہیں۔ کسانوں کا کہنا ہے کہ موجودہ حالات میں اگر برآمدات متاثر ہوئیں تو چائے کی قیمت مزید گر سکتی ہے، جس سے ہزاروں افراد کی روزی روٹی خطرے میں پڑ جائے گی۔ یاد رہے کہ گزشتہ سال کیڑوں کے حملے کے باعث پیداوار میں پہلے ہی ۲۵ سے ۳۰ فیصد کمی آچکی ہے۔ نیپال اور بھارت کے درمیان طویل عرصے سے آزاد تجارت کا نظام قائم ہے، تاہم اس نئی پالیسی نے اس روایت پر سوالیہ نشان کھڑا کر دیا ہے۔ صنعتکاروں نے خبردار کیا ہے کہ اگر بروقت سفارتی سطح پر مسئلے کا حل نہ نکالا گیا تو چائے کی صنعت سنگین بحران میں مبتلا ہو سکتی ہے

اداریہ

وزیر اعظم بالن شاہ کے لیے نئے چیلنجز !!!!

ایڈیٹر کے قلم سے۔۔۔۔۔

نیپال میں وزیر اعظم بالن شاہ کی حکومت کا قیام بلاشبہ ایک نئی سیاسی صبح کا پیش خیمہ سمجھا جا رہا تھا۔ عوام، خصوصاً نوجوان طبقہ، روایتی سیاست سے ہٹ کر ایک نئی قیادت میں شفافیت، دیانت داری اور عملی تبدیلی کی امید لگائے بیٹھا تھا۔ تاہم، اقتدار سنبھالتے ہی حکومت کو جن پیچیدہ داخلی و خارجی مسائل کا سامنا کرنا پڑا، اس نے اس امید کو ایک کڑی آزمائش میں بدل دیا ہے۔

ابتدائی دنوں سے ہی اپوزیشن جماعتیں حکومت کے خلاف متحرک نظر آئیں۔ سیاسی محاذ آرائی، بیانات کی جنگ اور پارلیمانی دباؤ نے حکومتی کارکردگی کو متاثر کرنے کی کوشش کی۔ یہ حقیقت بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ نیپال کی سیاست ہمیشہ سے اتحاد، مفاہمت اور توازن کی متقاضی رہی ہے، جہاں کسی بھی نئی حکومت کو فوری طور پر خود کو مستحکم کرنا ایک بڑا چیلنج ہوتا ہے۔

معاشی محاذ پر صورتحال مزید پیچیدہ دکھائی دیتی ہے۔ عالمی سطح پر بڑھتی ہوئی مہنگائی، ایندھن کی قیمتوں میں اضافہ اور درآمدی انحصار نے نیپال کی معیشت کو دباؤ میں رکھا ہوا ہے۔ گیس، پٹرول اور روزمرہ اشیاء کی قیمتوں میں مسلسل اضافہ عوام کے لیے شدید پریشانی کا باعث بن چکا ہے۔ ایسے میں حکومت کی جانب سے سرحد پار خریداری، خصوصاً ۱۰۰ روپے سے زائد کی اشیاء پر ٹیکس عائد کرنے کا فیصلہ ایک دودھاری تلوار ثابت ہو رہا ہے۔ ایک طرف یہ اقدام مقامی صنعت کے تحفظ اور غیر قانونی تجارت کی روک تھام کے لیے ضروری قرار دیا جا رہا ہے، تو دوسری طرف اس نے سرحدی علاقوں میں کاروباری سرگرمیوں کو سست کر دیا ہے۔

یہاں ایک اہم سوال ابھرتا ہے کہ کیا حکومت نے اس پالیسی کے نفاذ سے قبل متبادل معاشی مواقع، مقامی مارکیٹ کی مضبوطی اور عوامی سہولت کے لیے کوئی جامع حکمت عملی تیار کی تھی؟ اگر نہیں، تو یہ فیصلہ وقتی طور پر عوامی ناراضگی میں اضافے کا سبب بن سکتا ہے۔

دوسری جانب، وزیر داخلہ سدن گرونگ کا استعفیٰ سیاسی عدم استحکام کی علامت کے طور پر دیکھا جا رہا ہے۔ داخلی سلامتی، نظم و نسق اور حکومتی ہم آہنگی جیسے اہم شعبے اس وزارت سے جڑے ہوتے ہیں، اور ایسے وقت میں استعفیٰ حکومت کے لیے مزید مشکلات پیدا کر سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ عدالت عظمیٰ کی جانب سے بعض اہم فیصلوں، جیسے ہفتے میں دو دن کی تعطیل اور ٹیکس پالیسی، پر نظر ثانی کی ہدایات بھی حکومت کی پالیسی سازی پر سوالات اٹھا رہی ہیں۔

خارجہ پالیسی کے میدان میں بھی حکومت کو محتاط حکمت عملی اپنانا ہوگی۔ نیپال جیسے ملک کے لیے، جو جغرافیائی طور پر دو بڑی طاقتوں کے درمیان واقع ہے، ہر معاشی اور سیاسی فیصلہ علاقائی اثرات رکھتا ہے۔ بھارت کے ساتھ تجارتی تعلقات، سرحدی آمد و رفت اور اقتصادی انحصار کو مد نظر رکھتے ہوئے کیے گئے فیصلے نہایت حساس نوعیت کے ہوتے ہیں۔

اس تمام صورتحال میں حکومت کے لیے سب سے بڑا چیلنج عوامی اعتماد کو برقرار رکھنا ہے۔ عوام نے جس امید کے ساتھ اس حکومت کو منتخب کیا، اس امید کو برقرار رکھنا صرف نعروں سے ممکن نہیں بلکہ عملی اقدامات، شفاف پالیسی سازی اور بروقت فیصلوں سے ہی ممکن ہے۔

یہ وقت وزیر اعظم بالن شاہ کے لیے ایک امتحان بھی ہے اور ایک موقع بھی۔ اگر وہ دانشمندی، مشاورت اور زمینی حقائق کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی حکمت عملی کو ترتیب دیتے ہیں تو یہ چیلنجز ہی ان کی قیادت کو مضبوط بنا سکتے ہیں۔ بصورت دیگر، یہی مسائل ان کی حکومت کے لیے مشکلات میں اضافہ کا سبب بن سکتے ہیں۔ عبدالجبار علیمی نیپالی

خصوصی کالم برائے مراسلات

معزز قارئین کرام: السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ نیپال اردو ٹائمز ہمالیہ کی وادیوں سے اردو صحافت کا روشن مینار ہے جس کے ذریعے سے ملک نیپال میں اردو صحافت کو فروغ دینے کے لیے ہماری ٹیم سرگرم عمل ہے، قارئین حضرات سے مؤدبانہ التماس ہے کہ اخبار کو پڑھیں اور اپنی آرا ہمیں ارسال فرما کر شکریہ کا موقع فراہم کریں۔

+9779701714929

سُدن گُرنگ کا استعفیٰ — کس نے مجبور کیا اور نقصان کیا ہوا؟

راشد سیف اللہ
مدینہ منورہ

نیپال کی سیاست میں ایک تکلیف دہ روایت ہے، جو شخص واقعی کچھ کرنے کی کوشش کرے، جو بدعنوانی کی زنجیریں توڑنا چاہے، جو طاقتور اور بااثر لوگوں کو قانون کے سامنے لانے کا حوصلہ دکھائے، اسے سب سے پہلے نشانہ بنایا جاتا ہے، وزیرِ داخلہ سُدن گُرنگ کے ساتھ بھی یہی ہوا، وہ صرف ستائیس دن وزارت میں رہے لیکن ان ستائیس دنوں میں انہوں نے وہ کام کیے جو برسوں میں نہیں ہوئے تھے، ان کا استعفیٰ محض ایک وزیر کا جانا نہیں، یہ ایک سوچی سمجھی اور منظم مہم کا نتیجہ ہے جس میں اپوزیشن جماعتیں، مفاد پرست میڈیا اور طاقتور کاروباری طبقہ سب مل کر ایک ہی مقصد کے لیے میدان میں اترے، آج ہم اس بات کا تفصیلی جائزہ لیں گے کہ کن لوگوں نے انہیں استعفے پر مجبور کیا اور اس استعفے سے نیپال کو کیا کیا نقصان ہوا۔

پہلی قوت اپوزیشن کا منظم دباؤ

اپوزیشن جماعتوں کا کردار اس پوری مہم میں سب سے نمایاں رہا، نیپالی کانگریس وہ پہلی جماعت تھی جس نے باضابطہ طور پر سُدن گُرنگ کے استعفے کا مطالبہ کیا، اس کے بعد سی پی این-یو ایم ایل نے بھی ایک پریس ریلیز جاری کی جس میں فوری تحقیقات اور وزیر کے استعفے کی مانگ کی گئی، اور شرم سنکرتی پارٹی نے بھی یہی موقف اپنایا، بظاہر یہ مطالبات احتساب کے نام پر تھے لیکن ان کا اصل پس منظر سمجھنا ضروری ہے۔

یاد رہے کہ سُدان گُرنگ نے عہدہ سنبھالتے ہی اپنی پہلی رات کو سی پی این-یو ایم ایل کے سربراہ اور سابق وزیرِ اعظم کے پی شرما اولی کو گرفتار کروایا تھا، وہی اولی جن کی جماعت اب گُرنگ کے خلاف آزادانہ تحقیقات کا مطالبہ کر رہی تھی، یہ احتساب کی آواز نہیں تھی، یہ انتقام کی سیاست تھی، نیپالی کانگریس اور دیگر روایتی جماعتوں کا معاملہ بھی مختلف نہیں، یہ وہی پارٹیاں ہیں جو دہائیوں تک نیپال کی سیاست پر قابض رہیں، جن کے دور میں بدعنوانی پھلی پھولی، اور جنہیں بالن شاہ کی حکومت نے عوام کے سامنے بے نقاب کیا، ان کے لیے سُدن گُرنگ جیسا وزیر ایک خطرہ تھا، اور خطرے کو راستے سے ہٹانے کا آسان ترین طریقہ الزامات کی بوچھاڑ ہے۔

دوسری قوت میڈیا کا ہتھیار کے طور پر استعمال

میڈیا کا کردار کسی بھی جمہوریت میں نہایت اہم ہوتا ہے لیکن جب میڈیا کو کسی مقصد کے لیے ہتھیار بنایا جائے تو وہ احتساب کے بجائے ظلم کا آلہ بن جاتا ہے، گُرنگ نے خود میڈیا رپورٹوں کو سپانسرڈ افواہیں قرار دیا اور کہا کہ جو لوگ برسوں سے قومی خزانے پر نظریں جمائے ہوئے ہیں آج وہ خوفزدہ ہیں اور یہ افواہوں کی مہم ان کی بے بسی کی علامت ہے، غور کریں کہ گُرنگ نے عہدہ سنبھالنے کے چند دنوں بعد ہی غیر قانونی دھندوں پر چھاپے مارے، بڑے بڑے کاروباری نیٹ ورکس کو کھنگالنا شروع کیا اور وی آئی پی کلچر پر ضرب لگائی، ان سب اقدامات سے جن کے مفادات متاثر ہوئے انہوں نے اپنے وسائل اور میڈیا تک رسائی استعمال کرتے ہوئے ایک منظم بیانیہ بنایا، اور اس بیانیے کو پھیلانے میں میڈیا کے کچھ حصے نے بخوشی ساتھ دیا، یہ صحافت نہیں تھی، یہ مفادات کا تحفظ تھا۔

تیسری قوت طاقتور کاروباری طبقہ

نیپال میں طاقتور کاروباری طبقے کی سیاست پر گرفت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، سُدن گُرنگ نے جب غیر قانونی لین دین پر ہاتھ ڈالا، منی لانڈرنگ کے ملزمان کے خلاف کارروائی شروع کی اور حکومتی ٹھیکوں میں سیاسی اثر و رسوخ کے ذریعے فائدہ اٹھانے والے کاروباریوں کو نشانہ بنایا تو یہ طبقہ فطری طور پر بے چین ہو گیا، کچھ کاروباری جو مبینہ طور پر سیاسی اور بیوروکریٹک تعلقات کے ذریعے حکومتی ٹھیکے حاصل کرتے آئے تھے اور جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مکمل استثنا کے ساتھ کام کرتے تھے، انہیں اب خطرہ محسوس ہوا، اس طبقے کے پاس نہ صرف وسائل ہیں بلکہ سیاسی پارٹیوں اور میڈیا تک براہِ راست رسائی بھی ہے، گُرنگ کے خلاف مہم میں اس طبقے کی پشت پناہی کا اندازہ خود گُرنگ کے اس بیان سے ہوتا ہے جس میں انہوں نے کہا کہ یہ مہم صرف انہیں روکنے کے لیے ہے لیکن تحقیقات نہیں رکیں گی۔

چوتھی قوت اپنی ہی جماعت کے اندر کشمکش

شاید سب سے تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ گُرنگ کو باہر سے ہی نہیں، اپنی جماعت کے اندر سے بھی بھرپور حمایت نہیں ملی، راشٹریہ سواتنتر پارٹی کے چیئرمین ربی لامی چھانے

نے ابتدا میں وزارتِ داخلہ کے لیے ڈی پی آریال کا نام آگے بڑھایا تھا اور گُرنگ کو وزیرِ اعظم بالن شاہ کی ذاتی کوشش سے یہ عہدہ ملا، اس اندرونی کشمکش نے جماعت کو ایک متحد آواز بننے سے روکا اور جب باہری دباؤ بڑھا تو اندرونی حمایت کمزور پڑ گئی، نتیجہ یہ نکلا کہ گُرنگ چاروں طرف سے گھرے ہوئے تھے، باہر سے اپوزیشن، میڈیا اور کاروباری دباؤ، اور اندر سے جماعت کا غیر یقینی رویہ۔

استعفے کے نقصانات ایک جائزہ

اب آئیں اس اہم سوال کی طرف کہ اس استعفے سے نیپال کو اصل میں کیا کھونا پڑا، سب سے پہلا اور سب سے واضح نقصان یہ ہے کہ وہ تحقیقاتی عمل جو گُرنگ نے شروع کیا تھا اب سوالیہ نشان بن گئے ہیں، جو مقدمات وہ کھلوا رہے تھے، جن افسران کو انہوں نے بدعنوانی کے خلاف متحرک کیا تھا، اب وہ سب ایک نئے وزیر کی ترجیحات کے محتاج ہیں، گُرنگ کا استعفیٰ اس حکومت کے لیے ایک دھچکا ہے جو اصلاح پسند شبیہ کے ساتھ اقتدار میں آئی تھی، اور جس وزیر نے بدعنوانی کے خلاف بے باک کارروائی کا عہد کیا تھا وہ اب خود تحقیقات کی زد میں ہے۔

دوسرا بڑا نقصان پولیس اور بیوروکریسی کے مورال کو ہوا، جب سُدن گُرنگ نے پولیس ہیڈکوارٹر میں رات بھر کھڑے رہ کر گرفتاریاں یقینی بنائیں اور افسران کو یہ پیغام دیا کہ سیاسی دباؤ سے نہیں بلکہ قانون سے کام لو، تو پولیس کے اندر ایک نئی روح آئی، لیکن جب وہی وزیر صرف ستائیس دن میں باہر ہو گیا تو پولیس اور بیوروکریسی کو یہ پیغام گیا کہ جو بھی حکمران طبقے کے خلاف جائے گا اسے ٹھکانے لگا دیا جائے گا، یہ پیغام نظامِ احتساب کو برسوں پیچھے دھکیل سکتا ہے۔

تیسرا نقصان پوری اصلاحی حکومت کی ساکھ کو ہوا، بالن شاہ کی حکومت بدعنوانی کے خلاف واضح موقف اور اصلاحی ایجنڈے کی بنا پر اقتدار میں آئی تھی، اس حکومت نے آتے ہی سیاستدانوں کے اثاثوں کی جانچ کے لیے ایک سابق سپریم کورٹ جج کی سربراہی میں پانچ رکنی کمیشن قائم کیا تھا، لیکن اپنے ہی وزیرِ داخلہ کا ایک مہینے کے اندر اس طرح چلے جانا حکومت کی کمزوری کا تاثر دیتا ہے، اس استعفے کے اگلے ہی دن صدرِ نیپال نے پارلیمان کے دونوں ایوانوں کا آئندہ اجلاس بغیر کسی وضاحت کے معطل کر دیا، اپوزیشن نے اسے بے مثال اور حیران کن قدم قرار دیا۔

چوتھا اور شاید سب سے خطرناک نقصان ایک غلط نظیر کا قیام ہے، جمہوریت کا ایک مقدس اصول ہے کہ جرم ثابت ہونے تک ہر شخص بے گناہ ہے، خود گُرنگ نے کہا کہ فیصلے جذبات پر نہیں بلکہ ثبوت پر ہونے چاہئیں، اگر آج یہ روایت پڑ گئی کہ اپوزیشن کا الزام اور میڈیا کی مہم کسی وزیر کو عہدہ چھڑوانے کے لیے کافی ہے تو آگے چل کر کوئی بھی اصلاح کار عہدے پر ٹک نہیں سکے گا، جب بھی کوئی وزیر کسی طاقتور کو للکارے گا اسے اسی طریقے سے نشانہ بنایا جائے گا، یہ جمہوریت نہیں بلکہ منظم گردن زنی ہے اور اس کا فائدہ صرف اور صرف مفاد پرست طبقے کو ہوتا ہے۔

پانچواں نقصان نوجوان نسل کی امیدوں کو ہوا، سُدن گُرنگ ۲۰۲۵ء کی جنریشن-زی تحریک کا ایک زندہ استعارہ تھے، ایک ایسا نوجوان جو گلیوں سے اٹھ کر سیاست کے اعلیٰ ترین مقام تک پہنچا اور جس نے ثابت کیا کہ تبدیلی ممکن ہے، ان کا اس طرح نکلنا اس نوجوان نسل کو یہ مایوس کن پیغام دیتا ہے کہ نظام کا حصہ بنو تو نظام تمہیں توڑ دیتا ہے، لڑنے والوں کو نکال دیا جاتا ہے اور پرانے چہروں کی جگہ لینا آسان نہیں۔

پھر بھی امید باقی ہے

ان تمام نقصانات کے باوجود ایک مثبت پہلو موجود ہے، وزیرِ اعظم بالن شاہ نے وزارتِ داخلہ خود اپنے ہاتھ میں لی اور واضح کیا کہ اگر پچیس دن میں الزامات ثابت نہ ہوئے تو سُدن گُرنگ دوبارہ اپنے عہدے پر واپس آئیں گے، یہ ایک ذمہ دارانہ اور منصفانہ اعلان ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت محض دباؤ میں نہیں آئی بلکہ اس نے ایک قانونی راستہ اختیار کیا ہے، اگر یہ تحقیقات شفاف ہوئی اور الزامات بے بنیاد ثابت ہوئے، جیسا کہ گُرنگ بار بار دعویٰ کرتے رہے، تو ان کی واپسی نہ صرف ان کے لیے بلکہ پوری اصلاحی تحریک کے لیے ایک نئی شروعات ہوگی۔ سُدن گُرنگ کو روکنے والے جانتے تھے کہ وہ کیا کر رہے ہیں، ایک ایسے وزیر کو جو صرف ستائیس دنوں میں نیپال کی سیاسی تاریخ کو ہلا رہا تھا، اسے روکنا ان کے لیے ضروری تھا، اور انہوں نے روک لیا، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا نیپال کی عوام اس کھیل کو سمجھتی ہے؟ کیا وہ نوجوان نسل جس نے ۴۶ ہم عمروں کی جانوں کی قربانی دے کر یہ حکومت بنوائی، وہ اپنے اس اصلاح کار کو میدان سے جاتے دیکھ کر خاموش رہے گی؟ اللہ کرے کہ تحقیقات منصفانہ ہو، الزامات بے بنیاد ثابت ہوں اور سُدن گُرنگ دوبارہ اس عہدے پر واپس آ کر وہ کام مکمل کریں جو نیپال کو بہت پہلے ہونا چاہیے تھا۔

امریکہ و ایران کے مذاکرات کی ناکامی اور جنگ کے خطرات

تحریر: اللہ نواز خان
allahnawazk012@gmail.com

اسلام آباد میں ہونے والے امریکہ اور ایران کے درمیان مذاکرات نہ ہو سکے۔ شاید امریکہ کو علم ہو گیا تھا کہ یہ مذاکرات ناکامی سے دوچار ہوں گے۔ مذاکرات کی کامیابی کے بارے میں پہلے ہی اندازے لگائے جا رہے تھے کہ یہ مشکل سے ہی کامیاب ہوں گے۔ ناکامی کا امکان اس وجہ سے تھا کہ امریکہ کا سب سے پہلا اور بنیادی مطالبہ یہی ہے کہ ایران افزدہ یورنیم سے دستبردار ہو جائے۔ دوسرا اہم مطالبہ یہ ہے کہ آبنائے ہرمز پر ایران کا کنٹرول ختم ہو جائے۔ ناکامی کی دیگر وجوہات کم اہم کہی جا سکتی ہیں۔ ایران دونوں ابتدائی مطالبوں کو تسلیم کرنے سے انکاری ہے۔ عارضی جنگ بندی کی ڈیڈ لائن ۲۲ اپریل کو ختم ہو گئی، بعد میں فوری حملے کا امکان نہ ہونے کے باوجود بھی جنگ شروع ہو سکتی ہے۔ ایٹمی توانائی سے دستبرداری ایران کے لیے خطرناک ثابت ہوگی۔ اگر ایٹمی توانائی کو فوجی مقاصد کے لیے استعمال نہ بھی کیا جائے تو پھر بھی اس کے بہت سے فائدے ہیں۔ ایران کا دعوی ہے کہ اس کا حق ہے کہ ایٹمی توانائی کو مثبت مقاصد کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اسرائیل بھی امریکہ پر دباؤ ڈال کر جنگ کو شروع کروا سکتا ہے۔ اسرائیل کی بہت پرانی خواہش ہے کہ ایران جیسے خطرہ کو ختم کیا جا سکے۔ مذاکرات شروع ہونے سے کچھ دیر قبل امریکی صدر نے مذاکراتی ٹیم کو پاکستان جانے سے روک دیا۔ ان کا موقف تھا کہ ویسے ٹائم ضائع ہو رہا ہے۔ دونوں ممالک کے قائدین ایک دوسرے کے خلاف سخت قسم کے بیانات بھی دے رہے ہیں، جس سے اشتعال پھیل رہا ہے۔ بیانات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جنگ کسی وقت بھی شروع ہو سکتی ہے۔ امریکی قیادت پریشان ہے کہ ایران کو ابھی تک شکست نہیں دی جا سکی۔ کچھ عرصہ پہلے امریکی صدر نے دعوی کیا تھا کہ ہم کامیاب ہو گئے ہیں۔ ڈونلڈ ٹرمپ کا دعوی ایک طرف لیکن حقائق کچھ اور ہیں۔ بہت سے مبصرین کے مطابق ایران کو مکمل طور پر شکست نہیں دی جا سکی۔ ایران ابھی تک کامیابی سے دفاع کر رہا ہے اور امریکہ کو مجبور کر دیا کہ

مذاکرات کی میز پر بیٹھے۔ یہ درست ہے کہ ایران کی درجہ اول کی قیادت جنگ میں شہید ہو چکی ہے اور مالی نقصان بھی بہت زیادہ ہوا، لیکن امریکہ سے مقابلہ کیا جا رہا ہے۔ آبنائے ہرمز پر کنٹرول بھی ایران کو مضبوطی دے رہا ہے۔ امریکی صدر بھی کوشش کر رہے ہیں کہ مکمل طور پر آبنائے ہرمز پر کنٹرول حاصل ہو جائے۔

اس جنگ کے خاتمے کے لیے دونوں فریقین خواہش مند ہیں، لیکن جھکنے کے لیے کوئی بھی تیار نہیں۔ امریکہ اگر ایرانی شرائط کے آگے ڈھیر ہو گیا تو اس کی ساکھ مشرق وسطی میں ختم یا انتہائی کمزور ہو جائے گی۔ مشرق وسطی کے علاوہ بین الاقوامی طور پر بھی امریکہ اپنی مضبوطی کو بدترین طریقے سے کھو دے گا۔ ایران پہلے ہی شدید قسم کی پابندیوں کا سامنا کر رہا ہے اور جوہری توانائی سے دستبرداری ایران کے لیے انتہائی ہولناک ثابت ہوگی۔ بہر حال ایران کے لیے یہ جنگ خطرناک ثابت ہو رہی ہے، کیونکہ اس کے مقابلے میں امریکہ واسرائیل جیسی طاقتیں ہیں۔ امریکہ کے صدر پر بھی عالمی دباؤ بھی بڑھ رہا ہے اور اندرون ملک بھی دباؤ میں اضافہ ہو رہا ہے۔ مشرق وسطی کے کئی ممالک بھی نہیں چاہتے کہ جنگ دوبارہ شروع ہو، کیونکہ وہ متاثر ہو رہے ہیں۔ اس جنگ کی وجہ سے عالمی معیشت بھی شدید متاثر ہوئی ہے۔ آبنائے ہرمز اگر زیادہ عرصے تک بند رہا تو تیل اور دیگر اشیاء کی قیمتوں میں بہت زیادہ اضافہ ہو جائے گا۔

اب مذاکرات نہیں ہو رہے، ہو سکتا ہے جلد ہی شروع ہو جائیں۔ مذاکرات نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ معاملہ ویسے کا ویسا رہے گا بلکہ تناؤ بڑھے گا۔ عالمی معیشت بہت بڑے بحران کا شکار ہو جائے گی۔ جنگ کے امکانات بڑھ جائیں گے۔ خطے میں کشیدگی بھی بڑھتی جائے گی۔ مشرق وسطی میں بہت زیادہ بہت زیادہ بدامنی کا امکان ہے۔ ایران پر مزید سخت پابندیاں لگ سکتی ہیں۔ ایران کا جوہری پروگرام بھی "ایٹم بم م" میں ڈھل سکتا ہے۔ آبنائے ہرمز مکمل طور پر بند بھی ہو سکتا ہے۔ جنگ ہونے کی صورت میں کروڑوں انسان قتل ہو سکتے ہیں۔

امریکہ اور ایران کے درمیان مذاکرات نہ ہونے یا کامیاب نہ ہونے کی وجہ سے بہت بڑی جنگ چھڑ سکتی ہے۔ ایران کمزور ہے لیکن کچھ عرصے تک امریکہ کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ امریکی صدر کے مطابق ہم نے امریکی بحری معاصرے سے ایران کی معیشت کو زبردست دباؤ میں ڈال دیا ہے، ایرانی معیشت تیزی سے کمزور ہو رہی ہے اور روزانہ کروڑوں ڈالرز کا نقصان بھی ہو رہا ہے۔ اتنے نقصان کے باوجود بھی امریکہ کے ساتھ مقابلہ جاری ہے۔ الجزیرہ کی رپورٹ کے مطابق ایران کمزور ضرور ہے لیکن کچھ عرصے تک کے لیے لڑ سکتا ہے۔ ایران حالیہ ہفتوں میں تیل کی قیمتوں کی بڑھنے کی وجہ سے کافی سرمایہ اکٹھا کر چکا ہے۔ الجزیرہ کی رپورٹ کے مطابق ایران کے پاس ۱۶۰ سے ۱۸۰ ملین بیرل تیل سمندر میں موجود ہے، جس سے وہ کم از کم اگست تک مالی وسائل حاصل کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ آبنائے ہرمز پر گزرنے والے جہازوں سے فیس بھی وصول کی جا رہی ہے جس کا فائدہ ایران کو ہو رہا ہے۔ بہر حال جنگ کو روکا چاہیے تا کہ مزید تباہی سے بچا جا سکے۔

درود و سلام

بحضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اے جمیل و حسیں اے معین و متیں
آپ پر دم بدم ہے درود و سلام
آپ نورِ مبیں ء رحمتِ عالمیں
آپ پر دم بدم ہے درود و سلام

ہم کو شوق عبادت عطا کیجئے
ہم کو ذوق تلاوت عطا کیجئے
دین و دنیا کی دولت عطا کیجیے
ہم کو شرف زیارت عطا کیجئے
کوئی آیا نہیں آپ سا دل نشیں
آپ پر دم بدم ہے درود و سلام

قلب ہے پارہ پارہ عنایت شہا
التجا ہے خدارا عنایت شہا
پنجتن کا اتارا عنایت شہا
ہے اسی پر گزارا عنایت شہا
چشم رحمت شہنشاہ دنیا و دیں
آپ پر دم بدم ہے درود وسلام

ہے دعا تیرے پیاروں کا سایہ رہے
فاطمہ کے دلاروں کا سایہ رہے
دین کے چاند تاروں کا سایہ رہے
برکتوں کی بہاروں کا سایہ رہے
نورِ حق بالیقیں آفریں آفریں
آپ پر دم بدم ہے درود و سلام

نذر کیا ہم کریں سخت لاچار ہیں
رونگٹے تک ہمارے گنہگار ہیں
ہم خطاوار ہیں ہم سیہ کار ہیں
نفس کے جال میں ہم گرفتار ہیں
المدد المدد اے شفیع و امیں
اپ پر دم بدم ہے درود و سلام

اے نبیِ مکرّم سلامٌ علیک
زینتِ عرشِ اعظم سلامٌ علیک
نازشِ نوعِ آدم سلامٌ علیک
ہو قبول اے معظّم سلامٌ علیک
آپ محبوبِ رب مرسلِ مُرسلیں
آپ ہر دم بدم ہے درود و سلام

* معظم ارزاں شاہی دوست پوری *
قصبہ دوست پورء ضلع سلطان پور
یوپی (انڈیا)

جہیز کی لعنت سماج کے ماتھے پر بدنما داغ بیٹیوں کے مستقبل پر سنگین خطرہ

آج کا معاشرہ ایک ایسے خطرناک موڑ پر کھڑا ہے جہاں بیٹی جیسی رحمت بھی بعض لوگوں کو بوجھ محسوس ہونے لگی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ جہیز جیسی لعنت ہے، جس نے نہ صرف نکاح کو مشکل بنا دیا ہے بلکہ انسانی قدروں کو بھی شدید نقصان پہنچایا ہے۔ آئے دن اخبارات میں ایسی خبریں پڑھنے کو ملتی ہیں کہ کہیں جہیز کی خاطر ایک معصوم لڑکی کو ستایا گیا، کہیں اسے زندہ جلا دیا گیا، اور کہیں اس نے خودکشی پر مجبور ہو کر اپنی جان لے لی۔ یہ سب واقعات ہمارے ضمیر کو جھنجھوڑنے کے لیے کافی ہیں، مگر افسوس کہ ہم پھر بھی خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ جہیز دراصل ایک غیر اسلامی رسم ہے، جس کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ اسلام نے نکاح کو نہایت سادہ اور آسان بنایا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جو سب سے آسان ہو۔ لیکن ہم نے اپنی جھوٹی شان و شوکت، دکھاوے اور سماجی دباؤ کی وجہ سے نکاح کو ایک بوجھ بنا دیا ہے۔ آج شادی کا مطلب بڑے بڑے ہال، لمبی چوڑی باراتیں، قیمتی تحفے اور لاکھوں روپے کے خرچ تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس برائی کے خلاف آواز اٹھانے والے بھی بعض اوقات خود اس میں ملوث نظر آتے ہیں۔

جو لوگ اسٹیجوں پر کھڑے ہو کر جہیز کے خلاف تقریریں کرتے ہیں، وہی اپنے بیٹوں کی شادی میں مالدار گھرانوں کی تلاش میں لگ جاتے ہیں اور خوب دھوم دھام سے بارات لے جاتے ہیں۔ اس دوغلے پن نے معاشرے میں اصلاح کے دروازے بند کر دیے ہیں۔ اس کا سب سے زیادہ نقصان سفید پوش اور غریب گھرانوں کو ہوتا ہے، جہاں بیٹیاں صرف اس وجہ سے عمر گزار دیتی ہیں کہ والدین جہیز کا انتظام نہیں کر پاتے۔ یہ صورتحال نہایت افسوسناک ہے اور اگر یہی حالات جاری رہے تو وہ وقت دور نہیں جب لوگ بیٹیوں کو واقعی بوجھ سمجھنے لگیں گے، جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں ہوتا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس مسئلے کا حل کیا ہے؟ حل بہت مشکل نہیں، لیکن ہمت اور خلوص کا تقاضا

کرتا ہے۔ سب سے پہلے ہمیں خود سے شروعات کرنی ہوگی۔ ہمیں اپنے گھروں میں سادگی کو اپنانا ہوگا، جہیز لینے اور دینے سے صاف انکار کرنا ہوگا، اور اپنے بچوں کی شادی سنت کے مطابق کرنی ہوگی۔ جب تک ہم خود مثال قائم نہیں کریں گے، تب تک معاشرے میں تبدیلی ممکن نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ علماء، سماجی رہنما اور بااثر افراد پر بھی بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ صرف تقریروں تک محدود نہ رہیں بلکہ عملی طور پر بھی سادگی کو فروغ دیں۔ اگر وہ خود اپنے عمل سے مثال قائم کریں گے تو یقیناً معاشرہ ان کی پیروی کرے گا۔ جہیز صرف ایک رسم نہیں بلکہ ایک ظلم ہے، جس کے خلاف آواز اٹھانا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ اگر ہم نے آج اس کے خلاف قدم نہ اٹھایا تو کل ہماری بیٹیاں اس کا خمیازہ بھگتیں گی۔ اصلاح کا آغاز ہم سے ہے گر ہم بدل جائیں، تو معاشرہ بھی بدل سکتا ہے۔ محمد نور القمر نورانی قادری

اب وہ جمعہ جمعہ نظر آئیں گے!!

جاوید اختر بھارتی

کچھ لوگ کسی بھی میدان میں قدم رکھتے ہیں تو سستی شہرت حاصل کرنے کی کوشش میں سرگرم عمل نظر آتے ہیں، کچھ لوگ تنقید کرنا اصل مقصد سمجھتے ہیں، کچھ لوگ اصل ذمہ دار ہی بننے لگتے ہیں،، اگر وہ کسی تعمیری مکان کو دیکھتے ہیں تو انہیں دیوار ٹیڑھی نظر آتی ہے، اتفاقیہ کسی کمیٹی میں پہنچتے ہیں تو پہلے کے ذمہ داران میں کمی نظر آتی ہے، اب تو بہت سے ایسے ادارے ہیں جن کا دین سے تعلق ہے مگر اس میں بھی حمایت و مخالفت کا گروپ تشکیل دیا جانے لگا یعنی ایک ادارے کا کوئی شخص ذمہ دار ہے اور لمبے عرصے تک رہنے کے بعد عوام اگر اسے تبدیل کر دیتی ہے تو جو نیا ذمہ دار منتخب ہوتا ہے تو پہلے والے شخص کے اندر تعمیر و ترقی اور اصلاحی جذبہ نظر نہیں آتا بلکہ وہ نئے ذمہ دار کی ہمیشہ مخالفت پر تلا رہتا ہے اور یہ بیماری صرف فلاحی اور سیاسی و سماجی اداروں و تنظیموں تک محدود نہیں رہی بلکہ مدارس و مساجد اور خانقاہوں تک یہ بیماری پھیل چکی ہے اور جس شخص کے اندر یہ بیماری ہے تو پھر اسے قوم مسلم کا یا دین کا خدمت گزار نہیں کہا جا سکتا یا تو اس کا اپنا کوئی مفاد ہے یا پھر سستی شہرت، نام و نمود کا بھوکا ہے اگر جس کے سینے میں خدمت دین کا جذبہ ہے تو اسے کسی عہدے و منصب کی ضرورت نہیں ہے،، اور یہ بات صحیح ہے کہ اگر خدمت ہی کرنا ہے تو بنا کسی جاہ و منصب کے بھی خدمت کیا جا سکتا ہے،، اور ہمیشہ وہ کام کرنا چاہئے جو دیرپا ہو یہ نہیں کہ کوئی کام شروع کیا جائے تو تنقید کا انبار لگا دیا جائے، شکوہ شکایت کا ماحول قائم کیا جائے اور باتوں باتوں میں ڈانٹا پھٹکارا جائے اور خود کو بہت جانکار ثابت کیا جائے اور جمعہ جمعہ آٹھ دن کے بعد دستبردار ہو جایا جائے اور آٹھ دن میں ایک بار بھی یہ خیال نہ آئے کہ یہ مسجد ہے اور یہ مدرسہ ہے،، ایک تربیت گاہ و درسگاہ ہے تو دوسری عبادت گاہ ہے دونوں کا احترام ضروری ہے،،

دونوں کے تقدس کو پامال ہونے سے بچانا ضروری ہے اور دونوں کا جو حق ہے اس حق کو ادا کرنا ضروری ہے،، ایک دن مسجد کے اندر بچے آپس میں تبصرہ کر رہے تھے کہ رمضان کے مہینے میں مسجد کھچا کھچ بھری رہتی تھی ہمیں وضو خانے کے قریب کھڑے ہونے کے لئے جگہ ملتی تھی کبھی کبھی ہم آگے بڑھ جاتے تھے تو کچھ لوگ ہمارا ہاتھ پکڑ کر بڑی بے دردی کے ساتھ پیچھے ڈھکیل دیا کرتے تھے ساتھ ہی ہمیں پھٹکار بھی لگاتے تھے کہ تم لوگوں کی وجہ سے ہماری نمازیں خراب ہوتی ہے تم لوگ شور شرابے سے باز نہیں آتے مسجد خاموش رہنے کی جگہ ہے، ذکر و اذکار کی جگہ ہے، اللہ سے لو لگانے کی جگہ ہے شور شرابے کی جگہ نہیں لیکن آج وہ سارے لوگ غائب ہیں کیا اب ذکر و اذکار کی ضرورت نہیں، اللہ سے لو لگانے کی ضرورت نہیں، اللہ ان سے راضی ہو گیا اس بات کی سرٹیفکیٹ مل گئی کیا، ہمیں نصیحت کرنے کا جذبہ ختم ہو گیا کیا تبصرے کے دوران ہی ایک بچہ مسجد میں داخل ہوتا ہے اور تمام باتیں سننے کے بعد کہتا ہے کہ اب وہ لوگ کافی مصروف رہتے ہیں اب گیارہ مہینے تک وہ جمعہ جمعہ نظر آئیں گے،، عطر لگا کر، کاندھے پر رومال ڈال کر، اچھے اچھے کپڑے پہن کر کچھ لوگ دبک کر پیچھے ہی بیٹھ جائیں گے اور ان میں بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جو خطبہ کی اذان ہونے کے وقت آئیں گے اور بڑی مشکل سے خطبہ سنیں گے امام کے ساتھ دو رکعت فرض ادا کریں گے اور جیسے ہی سلام پھیرا جائے گا تو تیزی کے ساتھ مسجد سے باہر نکل جائیں گے کیونکہ انہیں اپنا کاروبار دیکھنا ہوتا ہے، موبائل پر گیم کھیلنا ہوتا ہے، چائے خانوں میں بیٹھ کر گپ شپ کرنا ہوتا ہے سارے بچے بعد میں آنے والے اس بچے کی باتیں بڑے ہی غور سے سن رہے تھے اور سننے کے بعد دو تین بچوں نے کہا کہ ٹھیک ہے اب جمعہ کا دن آئے گا تو ہم لوگ ان آدمیوں سے ملاقات بھی کریں گے اور بات چیت بھی کریں گے،، بالآخر جمعہ کا دن آتا ہے مسجد میں اذان کے کلمات بلند ہوتے ہیں لوگ جوق در جوق مسجد کی طرف روانہ ہوتے ہیں دیکھتے ہی دیکھتے رمضان کے مہینے کی طرح جمعہ کے دن بھی مسجد پوری طرح بھر گئی بچوں کو پھر ڈانٹا پھٹکارا جانے لگا اور انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر پیچھے کر دیا گیا،، بہر حال مسجد میں تقریر ہوئی پھر منبر پر کھڑے ہو کر امام نے خطبہ جمعہ پڑھا اس کے بعد دو رکعت فرض نماز ادا کی گئی سلام پھیرنے کے بعد ان جمعہ جمعہ کے نمازیوں سے سوال و جواب کرنے کے لئے بچے بھی مسجد سے باہر نکل گئے اور ان کا دامن پکڑ کر سوال و جواب کرنا شروع کر دیا،، بچوں نے سوال کیا کہ صاحب آپ جمعہ کے دن عصر سے لے کر دوسرے جمعہ کے دن کی نماز فجر تک غائب رہتے ہیں، مسجد میں نہیں آتے ہیں اور آٹھ دن تک نمازیں نہیں پڑھتے ہیں آخر کیوں: کیا آپ کی وہ نمازیں معاف ہیں؟ اور جب آٹھ دن تک مسجد سے دور رہتے ہیں تو پھر جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے کیوں آتے ہیں؟ یہ تو کسی کتاب میں نہیں لکھا ہے کہ آٹھ دن تک نماز نہ پڑھا جائے تو کوئی بات نہیں لیکن جمعہ کی نماز پڑھنا ضروری ہے،، جیسے آج آپ جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں آئے ہیں تو اللہ دیکھ رہا ہے اسی طرح آپ لوگوں نے آٹھ دن تک نماز نہیں پڑھی تو اللہ اس سے بھی واقف ہے،، آخر کیا وجہ ہے کہ آٹھ دن تک آپ مسجد سے دور رہے تو خدا کا خوف نہیں، آٹھ دن تک نمازیں نہیں پڑھیں تو خدا کا خوف نہیں،، پھر جمعہ کا دن آیا اور اذان کے کلمات بلند ہوئے تو آپ مسجد آپہنچے کیا صرف جمعہ کے دن ہی دل میں خوف خدا پیدا ہوتا ہے،، بچوں کی باتیں سن کر بچوں کے سوال سن کر جمعہ جمعہ کے نمازیوں کے پیروں تلے زمین کھسک گئی، زبان لڑکھڑانے لگی اور ہونٹ تھر تھرانے لگے بات وہ، بات یہ ہے، اصل بات یہ ہے کہ آج جمعہ ہے،، کچھ بھی بات نہیں بن پا رہی ہے سوال کا جواب ہی نہیں ہے بالآخر اوں اوں، میں میں کرتے کہتے وہ بات زبان پر آ ہی گئی جس کا امکان تھا سارے بہانے بازی کے بعد یہ کہہ دیا کہ ارے بچوں تمہیں معلوم نہیں ہے کہ آج جمعہ کا دن ہے تو بچوں نے کہا کہ ہمیں خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ آج جمعہ کا دن ہے بلکہ آج کے دن کا ہمیں انتظار تھا اور وہ انتظار ختم ہوا اور آپ لوگ مل گئے لیکن ہمارے سوالوں کا جواب نہیں ملا آخر خدا کی ذات تو وہ ہے کہ کالی رات میں بھی کالے پہاڑ کے کالے پتھر پر چلنے والی کالی چیونٹیوں کو دیکھتا ہے اور چیونٹیوں کے چلنے کی آواز کو سنتا بھی ہے پھر آپ آٹھ دن تک کس بنیاد پر احکام خداوندی سے غافل رہتے ہیں اور جمعہ کے دن صرف ایک وقت دو رکعت کے لئے غافل نہیں ہوتے اب ان کی زبان پر وہ لفظ آ ہی گیا کہ ارے بچوں آج جمعہ کا دن ہے اور آج بھی مسجد نہیں آتے تو لوگ کیا کہتے اور سماج و معاشرے کے لوگ کیا کہتے،،

موقع پرستی کی سیاست یا نظریاتی انحراف؟

(حافظ) افتخار احمد قادری

ہندوستانی سیاست اپنی تمام تر وسعت، رنگا رنگی اور پیچیدگیوں کے باوجود ایک بنیادی اصول پر قائم رہی ہے اور وہ ہے نظریاتی وابستگی اور عوامی اعتماد جب بھی کوئی سیاسی رہنما اس اصول سے انحراف کرتا ہے تو نہ صرف اس کی اپنی ساکھ متاثر ہوتی ہے بلکہ جمہوری نظام پر عوام کے اعتماد میں بھی دراڑیں پڑتی ہیں۔ حالیہ دنوں میں پیش آنے والی سیاسی ہلچل نے ایک بار پھر اس سوال کو زندہ کر دیا ہے کہ آیا موجودہ سیاست نظریات کے گرد گھومتی ہے یا صرف اقتدار کے حصول کا ایک ذریعہ بن کر رہ گئی ہے۔

بالآخر وہی کچھ ہوا جس کا اندیشہ کافی عرصے سے ظاہر کیا جا رہا تھا۔ عام آدمی پارٹی کے ایک نمایاں چہرے۔ رکن راجیہ سبھا راگھو چڈھا نے پارٹی سے استعفیٰ پیش کر کے سیاسی حلقوں میں ایک ہلچل پیدا کر دی ہے۔ ان کے اس فیصلے نے نہ صرف پارٹی قیادت کو حیران کیا بلکہ ان لاکھوں حامیوں کو بھی مایوسی سے دوچار کر دیا جنہوں نے انہیں ایک سنجیدہ، باصلاحیت اور نظریاتی سیاستدان کے طور پر دیکھا تھا۔ مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ اکیلے نہیں بلکہ کئی دیگر اہم ارکان کو بھی اپنے ساتھ لے کر ایک نئی سیاسی منزل کی جانب گامزن ہونے جا رہے ہیں۔ یہ صورتحال ایک فرد کے فیصلے تک محدود نہیں بلکہ اس کے اثرات وسیع تر سیاسی منظرنامے پر مرتب ہوں گے۔ راگھو چڈھا کے ساتھ جن دیگر شخصیات کے نام سامنے آئے ہیں ان میں سابق کرکٹر ہربھجن سنگھ، سماجی کارکن اور دہلی خواتین کمیشن کی سابق صدر نشین سواتی مالیوال اشوک متل اور سندیپ پاٹھک جیسے افراد شامل ہیں۔ یہ وہ نام ہیں جنہیں عام آدمی پارٹی نے نہ صرف مواقع فراہم کیے بلکہ انہیں قومی سطح پر متعارف کرانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ ایسے میں ان کا یکجا ہو کر ایک مختلف سیاسی جماعت میں شمولیت اختیار کرنا یقیناً کئی سوالات کو جنم دیتا ہے۔

عام آدمی پارٹی کی جانب سے پہلے ہی اس بات کے اشارے دیے جا رہے تھے کہ کچھ رہنما پارٹی پالیسیوں سے انحراف کر رہے ہیں اور ممکن ہے کہ وہ کسی اور سیاسی سمت کا انتخاب کریں۔ راگھو چڈھا کے حالیہ بیانات اور ان کی خاموشی خاص طور پر حکومت اور وزیر اعظم نریندر مودی کے خلاف اہم معاملات پر پارٹی قیادت کے لیے تشویش کا باعث بن رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ انہیں پارلیمنٹ میں اظہار خیال کے مواقع محدود کیے جانے لگے جو کہ اندرونی اختلافات کی واضح علامت تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ راگھو چڈھا کی سیاسی شناخت عام آدمی پارٹی ہی کی مرہون منت رہی ہے۔ ایک نوجوان اور تعلیم یافتہ چہرے کے طور پر انہیں جس تیزی سے قومی سیاست میں مقام ملا وہ پارٹی کی حکمت عملی اور اعتماد کا نتیجہ تھا۔ اسی طرح دیگر رہنماؤں کو بھی عوامی خدمت اور سیاسی تجربے کے مواقع فراہم کیے گئے تھے۔ مگر سیاست کے اس موڑ پر آکر ان کا پارٹی سے الگ ہونا اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ شاید اقتدار کی کشش نظریاتی وابستگی پر غالب آچکی ہے۔ سیاسی تاریخ گواہ ہے کہ وفاداری اور استقامت ہی وہ اوصاف ہیں جو کسی رہنما کو عوام کے دلوں میں زندہ رکھتے ہیں۔ اقتدار کا آنا جانا ایک فطری عمل ہے مگر مشکل وقت میں پارٹی کا ساتھ چھوڑ دینا اکثر رہنماؤں کے لیے طویل مدتی نقصان کا سبب بنتا ہے۔ راگھو چڈھا کے اس فیصلے کو بھی اسی تناظر میں دیکھا جا رہا ہے جہاں ان کی شبیہ ایک سنجیدہ اور اصول پسند سیاستدان سے ہٹ کر ایک موقع پرست رہنما کی بن کر سامنے آئی ہے۔ دوسری جانب بھارتیہ جنتا پارٹی

کی حکمت عملی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ پنجاب جیسے اہم ریاست میں آئندہ اسمبلی انتخابات کے پیش نظر بی جے پی کو ایک مضبوط اور قابل قبول چہرے کی تلاش تھی۔ شرومنی اکالی دل سے اتحاد نہ کرنے کے فیصلے کے بعد اس ضرورت میں مزید شدت آگئی تھی۔ ایسے میں عام آدمی پارٹی کے نمایاں چہروں کو اپنی صفوں میں شامل کرنا ایک سوچی سمجھی سیاسی چال معلوم ہوتی ہے جس کا مقصد نہ صرف اپنی پوزیشن کو مستحکم کرنا ہے بلکہ حریف جماعت کو کمزور کرنا بھی ہے۔ تاہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسے فیصلے عوامی سطح پر قبولیت حاصل کر پائیں گے؟ کیونکہ جن رہنماؤں نے اپنی سیاسی بنیاد ہی بی جے پی کی مخالفت پر رکھی ہو ان کا اچانک اسی جماعت میں شامل ہو جانا عوام کے لیے ایک الجھن کا سبب بن سکتا ہے۔ یہ تضاد نہ صرف ان کی ساکھ کو متاثر کرتا ہے بلکہ ان کے سیاسی مستقبل پر بھی سوالیہ نشان لگا دیتا ہے۔ یہ ہندوستانی سیاست میں بڑھتی ہوئی موقع پرستی کی ایک واضح مثال کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے جہاں نظریات پس منظر میں چلے جاتے ہیں اور اقتدار کا حصول اولین ترجیح بن جاتا ہے۔ اگر یہی رجحان جاری رہا تو جمہوریت کی بنیادیں کمزور ہو سکتی ہیں، کیونکہ عوام کا اعتماد ہی اس نظام کی اصل طاقت ہوتا ہے۔ یاد رکھیں کہ سیاست صرف اقتدار کا کھیل نہیں بلکہ یہ عوامی خدمت، نظریاتی وابستگی اور اخلاقی ذمہ داری کا نام ہے۔ جو رہنما ان اصولوں کو پس پشت ڈال دیتے ہیں وہ وقتی فائدہ تو حاصل کر لیتے ہیں مگر تاریخ میں ان کا مقام ہمیشہ متنازع ہی رہتا ہے۔ راگھو چڈھا اور ان کے ساتھیوں کا یہ فیصلہ بھی وقت کے ساتھ اپنے اثرات ظاہر کرے گا، اور یہ عوام ہی ہوں گے جو اس پر اپنا حتمی فیصلہ سنائیں گے۔

* کریم گنج، پورن پور
(مضمون نگار معروف صحافی و تجزیہ نگار ہیں)
iftikharahmadquadri@gmail.com

میری زندگی کی یادیں

محمد حامد رضا*

متعلم: دارالعلوم علیمیہ جمد اشاہی، بستی (یوپی)*

انسان کی زندگی محض سانسوں کا سلسلہ نہیں، بلکہ ایک ایسی جدوجہد کا نام ہے جس میں ہر قدم کسی مقصد کی طرف بڑھتا ہے۔ اس سفر میں اگر کوئی چیز انسان کا سب سے بڑا سہارا بنتی ہے تو وہ علم ہے۔ یہی علم اندھیروں میں روشنی بنتا ہے، یہی انسان کو شعور دیتا ہے، اور یہی اسے صحیح اور غلط کی پہچان عطا کرتا ہے۔

انسانی حیات میں علم کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اسی کے ذریعے ہم گمراہی سے ہدایت کی طرف آتے ہیں اور زندگی کے ہر میدان میں اپنا راستہ متعین کرتے ہیں۔ *یہی وہ جذبہ تھا جس نے مجھے بھی علم کے سفر پر گامزن کیا اور میری زندگی کا رخ بدل دیا۔*

حصول علم کا راستہ کبھی آسان نہیں ہوتا۔ اس میں مشکلات بھی آتی ہیں، آزمائشیں بھی اور قربانیاں بھی دینی پڑتی ہیں۔ تب کہیں جا کر انسان اپنی منزل تک پہنچتا ہے۔ مجھے آج بھی وہ لمحہ یاد ہے جب جستجوئے علم نے مجھے اپنے وطن سے دور ہونے پر آمادہ کیا۔ گھر بار، والدین اور اپنوں سے جدا ہونا یقیناً آسان نہ تھا، مگر دل میں ایک ایسی لگن سلگ رہی تھی، ایک ایسی تڑپ جاگ رہی تھی جس نے ہر مشکل کو پس پشت ڈال دیا اور مجھے آگے بڑھنے پر مجبور کر دیا۔

چنانچہ میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے دارالعلوم فدائیہ نوریہ پانچھوں رسیا میں حفظ قرآن کے لیے داخلہ لیا، جہاں ایک سال میں قرآن کریم کے چھ پارے حفظ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ یہ صرف یاد کرنے کا عمل نہ تھا، بلکہ *صبر، محنت اور خود کو ایک نئے سانچے میں ڈھالنے کا آغاز تھا۔*

بعد ازاں قرب و جوار کے طلبہ، خصوصاً اپنے چچازاد بھائی کو دیکھ کر شوق میں مزید اضافہ ہوا۔ دل میں ایک نئی آگ بھڑک اٹھی، ایک نیا حوصلہ پیدا ہوا اور اسی جذبے نے مجھے پونہ (مہاراشٹرا) کا رخ کرنے پر آمادہ کیا، جہاں دارالعلوم غریب نواز میں بحمد اللہ حفظِ قرآن مکمل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ *یہ مرحلہ محض تکمیل نہ تھا، بلکہ ایک نئے سفر کی بنیاد تھا۔*

پھر ایک نیا مرحلہ آیا۔ والدین کی خواہش پر میں نے درسِ نظامی کی تعلیم کا آغاز کیا۔ اس وقت مدارس کے نظام سے مکمل واقفیت نہ تھی، لیکن اللہ کے فضل و کرم سے مدرسہ اشرفیہ سراج العلوم میں اعدادیہ کے لیے داخلہ ملا۔ یہاں سے گویا علم کے *ایک وسیع سمندر میں قدم رکھ دیا،* جہاں ہر دن ایک نئی جستجو اور ہر سبق ایک نئی دنیا بن کر سامنے آتا تھا۔

اسی دوران لاک ڈاؤن نے تعلیمی سلسلے کو ایک سال کے لیے روک دیا۔ یہ وقفہ بظاہر ایک رکاوٹ تھا، مگر میرے لیے ایک آزمائش بھی تھا اور ایک موقع بھی۔ خاموشی کے اس دور میں دل کی آواز اور بھی واضح ہو گئی۔ جب میں نے اپنے بعض ساتھیوں کو ممبئی میں تعلیم حاصل کرتے دیکھا تو میرے اندر بھی آگے بڑھنے کا جذبہ اور شدت اختیار کر گیا، اور میں نے ممبئی کا رخ کیا۔ وہاں دارالعلوم غوثیہ ضیاء القرآن میں اولیٰ اور ثانیہ کی تعلیم مکمل کی۔

اسی جستجو نے مجھے آگے بڑھایا۔ بہتر تعلیمی ماحول کی تلاش اور اپنے اساتذہ کی رہنمائی، خصوصاً میرے مربی و استاذ مولانا داؤد مصباحی (اطال اللہ عمرہ) کی بارہا توجہ کے نتیجے میں، میں نے دارالعلوم علیمیہ جمد اشاہی میں داخلہ لیا۔ الحمدللہ جماعت ثالثہ سے لے کر جماعت خامسہ تک اسی ادارے میں زیر تعلیم ہوں—اور یہ سفر آج بھی جاری ہے، *ایک نئی منزل، ایک نئے عزم اور ایک نئی امید کے ساتھ۔*

میری رائے

میری نظر میں علم صرف بڑے اداروں میں پڑھ لینے کا نام نہیں، بلکہ *اصل علم وہ ہے جو انسان کے اندر محنت کی آگ روشن کر دے، صبر کو اس کی عادت بنا دے*

اور استقامت کو اس کی پہچان بنا دے۔ علم وہ چراغ ہے جو انسان کے باطن کو روشن کر دیتا ہے اور اسے اندھیروں میں بھی راستہ دکھاتا ہے۔

کامیابی صرف خواہشوں سے نہیں ملتی، بلکہ یہ ان آنکھوں کو نصیب ہوتی ہے جو نیند قربان کرتی ہیں، ان قدموں کو ملتی ہے جو تھکنے کے باوجود رکتے نہیں اور ان دلوں کو عطا ہوتی ہے جو ہر حال میں اپنے مقصد سے جڑے رہتے ہیں۔

ہر طالب علم کے دل میں یہ خواہش ضرور ہوتی ہے کہ وہ ایک باصلاحیت اور باوقار عالم بنے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ *وہی شخص اس مقام تک پہنچتا ہے جو اپنی زندگی کا ہر لمحہ علم کے لیے وقف کر دے،* اپنی ترجیحات کو درست کرلے اور اپنے مقصد کے سامنے ہر مشکل کو ہیچ سمجھے۔

ان سات برسوں نے مجھے یہ سکھایا ہے کہ محنت صرف ایک عمل نہیں بلکہ ایک عبادت ہے؛ صبر کامیابی کی کنجی ہے؛ اور پختہ عزم وہ طاقت ہے جو ناممکن کو بھی ممکن بنا دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عقل سلیم، فہم کامل اور ایسا علم عطا فرمائے جو ہمارے دلوں کو منور کرے، ہمارے اعمال کو سنوارے اور دونوں جہان میں سرخرو کرے۔ سیمل باڑی، کشن گنج (بہار)*

بتاریخ: ۲۶ اپریل ۲۰۲۶ء

بمطابق: ۸ ذوالقعدہ ۱۴۴۷ھ

مسلم معاشرے میں رسمِ ہلدی شرعی نقطۂ نظر،

انیس الرحمن حنفی رضوی بہرائچ شریف

صدر المدرسین جامعہ رضویہ زینت العلوم سرس کھیڑا ضلع مراد آباد

مسلم معاشرہ اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ایسا پاکیزہ اور متوازن نظامِ حیات کا حامل ہے جس کی بنیاد وحیِ الٰہی، تعلیماتِ نبویہ ﷺ اور اسلافِ امت کے معتدل و مہذب طرزِ عمل پر قائم ہے۔ اسلام نے انسانی زندگی کے ہر گوشے کو واضح اصولوں اور ضابطوں کے ساتھ مربوط کیا ہے، یہاں تک کہ خوشی اور مسرت کے مواقع بھی ایک خاص وقار، حیا اور اعتدال کے ساتھ منانے کی تعلیم دی گئی ہے۔ نکاح، جو انسانی معاشرت کی اساس اور نسلِ انسانی کے تسلسل کا ذریعہ ہے، اسلام میں ایک مقدس عبادت اور باعثِ برکت عمل قرار دیا گیا ہے، جسے سادگی، آسانی اور پاکیزگی کے ساتھ انجام دینے کی تلقین کی گئی ہے۔ لیکن افسوس کہ وقت کے ساتھ ساتھ مسلم معاشرے میں ایسی متعدد غیر اسلامی رسوم داخل ہو چکی ہیں جنہوں نے نکاح جیسے بابرکت عمل کو بوجھل، مہنگا اور خرافات کا مجموعہ بنا دیا ہے۔ انہی رسومات میں ایک نمایاں اور تیزی سے فروغ پانے والی رسم "ہلدی" کی ہے، جو بظاہر ایک خوشی کی تقریب معلوم ہوتی ہے مگر اپنے اندر کئی شرعی، اخلاقی اور تہذیبی قباحتیں سموئے ہوئے ہے۔

رسمِ ہلدی کا تاریخی پس منظر اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ دراصل برصغیر کی ہندو تہذیب سے ماخوذ ایک روایت ہے، جس میں شادی سے قبل دلہا اور دلہن کو ہلدی لگانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس عمل کو نہ صرف جسمانی خوبصورتی بلکہ بعض توہماتی تصورات کے تحت نحوست کو دور کرنے اور برکت کے حصول کا ذریعہ سمجھا جاتا رہا ہے۔ جب مسلمان اس خطے میں آباد ہوئے اور مقامی تہذیبوں کے ساتھ ان کا میل جول بڑھا تو رفتہ رفتہ یہ رسم بھی ان کے معاشرتی ڈھانچے میں داخل ہو گئی۔ ابتدا میں شاید یہ محض ایک ثقافتی اثر تھا، مگر وقت گزرنے کے ساتھ اس نے ایک مستقل اور لازمی تقریب کی حیثیت اختیار کر لی، یہاں تک کہ اب بعض حلقوں میں اسے شادی کا ناگزیر جز سمجھا جانے لگا ہے۔

موجودہ دور میں اس رسم کی صورت حال نہایت تشویشناک ہو چکی ہے۔ ہلدی کی تقریب اب محض ہلدی لگانے تک محدود نہیں رہی بلکہ یہ ایک مکمل "ایونٹ" بن چکی ہے جس میں گانے بجانے، رقص و سرود، مخلوط محافل، بے پردگی، فیشن کی نمائش اور فضول خرچی کا کھلا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ دلہا اور دلہن کو مجمع کے سامنے بٹھا کر ان پر ہلدی ملنا، مخصوص گیت گانا، قہقہوں اور غیر سنجیدہ حرکات کے ذریعے اس مقدس موقع کو ایک تماشہ بنا دینا، یہ سب ایسے مظاہر ہیں جو کسی بھی مہذب اور دینی شعور رکھنے والے معاشرے کے لیے باعثِ تشویش ہونے چاہییں۔ اس کے ساتھ ساتھ لاکھوں روپے محض ایک غیر ضروری رسم پر خرچ کر دینا اسراف کی بدترین مثال ہے۔

اگر اس رسم کا شرعی زاویے سے جائزہ لیا جائے تو کئی اہم اصول سامنے آتے ہیں جو اس کی حیثیت کو واضح کر دیتے ہیں۔ سب سے پہلے "تشبہ بالکفار" کا مسئلہ ہے۔ اسلامی تعلیمات میں غیر مسلم اقوام کی مذہبی اور مخصوص تہذیبی علامات کی نقالی سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد کہ "جو جس قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ انہی میں سے ہے" اس بات کی سنگینی کو ظاہر کرتا ہے۔ چونکہ رسمِ ہلدی اپنی اصل میں غیر مسلم تہذیب سے ماخوذ ہے اور ایک مخصوص مذہبی و ثقافتی پس منظر رکھتی ہے، اس لیے اسے بطور رسم اپنانا شرعاً محلِ نظر ہے، خصوصاً جب اسے شعائر کی طرح اہتمام کے ساتھ منایا جائے۔

دوسرا اہم پہلو بدعت اور غیر ثابت امور کا ہے۔ اسلام نے عبادات اور معاشرتی اعمال دونوں میں حدود مقرر کی ہیں۔ نکاح کے حوالے سے قرآن و سنت میں جو طریقہ کار بیان ہوا ہے، اس میں سادگی اور بے تکلفی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ کسی ایسی رسم کو جو شریعت میں نہ ہو، شادی کا لازمی حصہ سمجھ لینا یا اسے دینی یا سماجی حیثیت دینا بدعت کے دائرے میں آتا ہے۔ رسمِ ہلدی اگرچہ بظاہر عبادت نہیں، مگر جب اسے ایک مستقل اور ضروری رسم کے طور پر اپنایا جائے تو یہ شریعت کے مزاج کے خلاف ہو جاتی ہے۔ تیسرا پہلو ان قباحتوں کا ہے جو اس رسم کے ساتھ جڑ چکی ہیں۔ بے پردگی، نامحرموں کا اختلاط، موسیقی اور لغویات، یہ سب ایسے امور ہیں جن کی حرمت مسلم ہے۔ جب ایک رسم ان تمام منکرات کا مجموعہ بن جائے تو اس کی قباحت مزید بڑھ جاتی ہے۔ اسلام نے حیا کو ایمان کا حصہ قرار دیا ہے، جبکہ ایسی تقریبات حیا کے اس تصور کو مجروح کرتی ہیں اور معاشرے میں بے راہ روی کو فروغ دیتی ہیں۔ چوتھا اہم مسئلہ اسراف اور فضول خرچی کا ہے۔ قرآن کریم نے فضول خرچی کو شیطانی عمل قرار دیا ہے اور اعتدال کی تعلیم دی ہے۔ آج کے دور میں ہلدی کی تقریبات پر جس طرح پیسہ لٹایا جاتا ہے، وہ نہ صرف دینی تعلیمات کے خلاف ہے بلکہ معاشرتی اعتبار سے بھی نقصان دہ ہے۔ اس کی وجہ سے شادی ایک مشکل اور مہنگا مرحلہ بن جاتی ہے، جس کے نتیجے میں غریب اور متوسط طبقہ شدید دباؤ کا شکار ہوتا ہے۔ معاشرتی اور اخلاقی اعتبار سے بھی اس رسم کے اثرات نہایت منفی ہیں

۔ یہ شادی کو سادگی اور برکت کے بجائے نمود و نمائش اور مقابلہ بازی کا ذریعہ بنا دیتی ہے۔ لوگ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تقریبات کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جس سے ریاکاری اور دکھاوے کا رجحان فروغ پاتا ہے۔ مزید برآں، نوجوان نسل ان رسومات کو دیکھ کر یہی سمجھتی ہے کہ شادی کا اصل مقصد یہی تفریح اور ہنگامہ آرائی ہے، جس سے نکاح کی اصل روح پسِ پشت چلی جاتی ہے۔

ان حالات میں اصلاح کی ضرورت انتہائی شدید ہے۔ سب سے پہلے یہ ذمہ داری اہلِ علم، علماء اور خطباء پر عائد ہوتی ہے کہ وہ حکمت اور بصیرت کے ساتھ ان مسائل کو عوام کے سامنے پیش کریں اور صحیح اسلامی تعلیمات کو اجاگر کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ والدین اور سرپرستوں کو بھی اپنی ذمہ داری کا احساس کرنا ہوگا کہ وہ اپنی اولاد کی شادیوں میں سادگی کو اختیار کریں اور غیر اسلامی رسومات سے اجتناب کریں۔ معاشرے میں ایسے نمونے پیش کیے جائیں جن میں نکاح سنت کے مطابق سادہ اور بابرکت انداز میں انجام پائے، تاکہ دوسروں کے لیے بھی ترغیب کا باعث بنیں۔

میڈیا اور سوشل پلیٹ فارمز کا استعمال بھی مثبت انداز میں کیا جا سکتا ہے، جہاں سادہ شادیوں کو فروغ دیا جائے اور ان خرافات کے نقصانات کو اجاگر کیا جائے۔ اگر معاشرے کے بااثر افراد خود اس سلسلے میں پہل کریں تو یقیناً اس کے دوررس اثرات مرتب ہوں گے۔

رسمِ ہلدی بظاہر ایک معمولی اور خوشی کی علامت سمجھی جانے والی تقریب ہے، مگر حقیقت میں یہ ایک ایسی غیر اسلامی روایت ہے جو مسلم معاشرے میں غیر مسلم تہذیب کی نقالی، بدعت، اسراف، بے حیائی اور دیگر متعدد قباحتوں کو فروغ دے رہی ہے۔ شریعتِ اسلامیہ نکاح کو سادہ، پاکیزہ اور بابرکت بنانے کی تعلیم دیتی ہے، جبکہ یہ رسم اس کے برعکس ایک بوجھل اور غیر ضروری اضافہ ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ مسلمان اپنی دینی شناخت کو برقرار رکھتے ہوئے ایسی تمام رسومات سے اجتناب کریں جو قرآن و سنت کے مزاج کے خلاف ہوں، اور نکاح کو اس کی اصل روح کے مطابق سادگی اور وقار کے ساتھ انجام دیں۔ یہی طرزِ عمل دنیا و آخرت کی کامیابی اور ایک صحت مند معاشرے کی ضمانت ہے۔

طاقت کی شکل کوئی بھی ہو، جس کو مل جاتی ہے وہ زمین چھوڑ دیتا ہے

قیصر محمود عراقی

کریگ اسٹریٹ، کمرہٹی، کولکاتا۔ ۵۸

انسان نے زندگی کے ہر شعبے میں ترقی کی طرف زقند بھری ہے۔ بحر و بر میں نت نئے امکانات، پہلوئوں اور سمتوں کی تلاش و جستجوں کے ساتھ آسمان کی موجودات پر بھی کمندیں ڈال رہے ہیں اور نئی بازیافتوں سے دل و دماغ کو منور کر رہے ہیں۔ زمین کے اندر پائے جانے والے بیش بہا خزانوں کی تلاش کا کام برسہا برس میں بھی مکمل نہیں ہو سکا پھر بھی آسمان کو مسخر کرنے کا جذبہ و جنون فزوں تر ہوتا جا رہا ہے۔ تعلیم اور تحقیقی و جستجوں کے میدان میں ترقی اور پیش رفت کے ساتھ اس زمین کے باسیوں کے طرز، بودوباش اور معیار زندگی میں بھی بڑی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ رہائشی عمارتوں اور دفاتر کے ساتھ ساتھ لباس اور پہناوے میں بھی زمین و آسمان کا فرق پیدا ہو چکا ہے، گفتگوں کا معیار بھی پہلے سے بہتر ہوا ہے۔

علاج و معالجے کی جدید ترین سہولتوں کی وجہ سے بہت سے امراض پر قابو پا لیا گیا ہے۔ مگر یہ کیا ہمارے ملک کے عوام کی ترقی وہی کی وہی رکی ہوئی ہے جہاں ہم سب ابتدا میں تھے، اس ترقی کو گہن کیوں لگا ہوا ہے، ملک اور عوام کے ساتھ ایسا کھیل کیوں کھیلا جا رہا ہے جس سے ان کی ترقی پر قدغن لگ چکا ہے۔ آزادی کے اٹھہتر سال بعد بھی ہمارے ملک کے عوام نے ترقی کا زینہ کیوں طے نہیں کیا؟ یہ ایک سوال ہے جس کا جواب ہمارے مختلف ادوار میں رہنے والے والے حکمران ہی دے سکتے ہیں۔

موجودہ حکومت نے اقتدار میں آنے سے پہلے یہ وعدہ کیا تھا کہ ان کی سرکار غریبوں کی سرکار ہو گی لیکن اقتدار میں آنے کے بعد غریبوں کا جینا مشکل ہو گیا۔ غریبوں کا روزی کمانا مشکل ہو گیا۔ نوکریاں دستیاب نہیں ہیں، انڈسٹریاں تباہ حال ہیں۔ تیل کی قیمتیں، گیس کی قیمتیں کم نہیں ہوئیں بلکہ دیگر اشیا کی قیمتیں وہیں کی وہیں ہیں۔ اس پر کوئی بحث نہیں کرتا، اس پر کوئی توجہ نہیں دیتا، کیا غریبوں کی سرکار کا یہی مطلب ہے کہ ان کے ساتھ ظلم روا رکھا جائے، ان سے جینے کا حق چھین لیا جائے اور غریبی کو ختم کرنے کے بجائے غریبوں کو ہی ختم کرنے کے درپہ جائے۔ غربت اور بے روزگاری ہمارے ملک کا سب سے بڑا مسئلہ ہے، اگر اس ملک کا کوئی شخص پڑھا لکھا ہے تو بھی اس کو نوکری نہیں ملتی کیونکہ اس کے پاس سفارش نہیں ہوتی، پھر تجربہ مانگا جاتا ہے، نوکری ملے گی ہی نہیں تو تجربہ کہاں سے آئے گا۔ ہمارے ملک میں اگر روزگار کے مواقع میسر ہو جائیں اور نوجوانوں کو نوکریاں ملنے لگ جائیں تو غریب کا بھلا ہو جائے۔ مگر نہیں، یہاں تو ترقی تو صرف امیروں کے حصوں میں ہوتا ہے، سفارش بھی ان ہی کے پاس ہے، ان سے تجربہ نہیں مانگا جاتا کیونکہ ان کے پاس سفارش جیسا زہر موجود ہے۔ اگر حکومت اس مسئلے کو حل کرنے میں سنجیدگی دکھاتی تو آج ہمارا ملک ترقی کے زینے طے کرنے میں پیچھے کیوں رہتا؟

سچ ہی کہا ہے کسی نے طاقت کی شکل کوئی بھی ہو جس کو مل جاتی ہے وہ زمین چھوڑ دیتا ہے۔ آج کل ہمارے ملک میں بھی ایک طرف اقتدار کی طاقت سے حکمران سرابور ہیں تو دوسری طرف عوامی طاقت سے مختلف النوع سیاسی جماعتیں، یعنی کہ سب ہی طاقت کے نشے میں چور ہیں اور جیسے جیسے وقت گذر رہا ہے یہ لوگ تہذیب کا دامن چھوڑتے جا رہے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ حکومت اپنے معیار کو بلند رکھتے ہوئے آگے کا معاملہ حل کرے، لیکن یہ بھی ایک کڑوی سچائی ہے کہ ان کے لوگ ایسا نہیں کرینگے۔ آج ہمارے معاشرے، سوسائٹی اور ملک میں بے سروپا باتیں کرنے والوں کی کوئی کمی نہیں، ان میں خواندہ اور ناخواندہ تمام قسم کے لوگ شامل ہیں، جس کے باعث ہمارے ملک کے اتحاد اور سالمیت کو زبردست خطرہ لاحق ہے۔ فرعون کے بارے میں یہ تاثر عام ہے کہ وہ بہت ہی ظالم حکمران کا نام ہے۔ پہلے پہل بھی مظلوموں، کمزوروں اور غریبوں کو تباہ کر کے اپنے طاقت کا احساس دلایا جاتا تھا آج بھی ملک اور عوام کی بربادی کرنے کی پوری پلاننگ ہو چکی ہے اور اس کے پیچھے وہی فرعون کی ذہنیت کار فرما ہے، ان کے دور میں وہی افسر شاہی نے ظلم اور نخرے، وہی پولس کا ظالمانہ ہتھکنڈے اور غنڈہ گردی، وہی بدعنوانی، وہی رشوت و سفارش کا کلچر اور وہی عوامی خزانے میں لوٹ مار۔ ہم جب تاریخ کا مطالعہ کرینگے تو ہمیں معلوم ہو گا کہ دنیا کے مختلف خطوں پر بننے والے حکمرانوں میں بہت سے ایسے بھی تھے جن کو اقتدار و اختیار کے نشے نے اکثر ایسا پاگل اور بے حس کر دیا تھا کہ ان کے مظالم کے وجہ سے وہ ظالم و جابر کہلائے، یہ وہ لوگ تھے جو اپنی ذاتی مفادات کے اسیر تھے، ان کی اسی خود غرضانہ سوچ نے انہیں اپنے اقتدار کے طاقت کے بے رحمانہ استعمال پر اکسایا اور وہ اپنی ذات کی تسکین اور مقاصد کی تکمیل کیلئے انسان سے درندے بن گئے اور یوں بے شمار انسانی جانوں کے ضیاع اور بے انداز تباہی و بربادی کا باعث ثابت ہوئے۔ اگر دیکھا جائے تو ہم فرعون سے بھی بدتر حکمرانوں کے ہاتھوں کے نیچے دبے ہوئے ہیں۔

قارئین محترم! مصر میں مرا ہوا فرعون ہر سال اربوں روپیہ مصر کی عوام کو کما کر دے رہا ہے، اس سے وہ اپنے گناہوں کی تلافی تو کر رہا ہے مگر ہمارے ملک کے زندہ فرعون ہر سال عوام کے اربو روپیے کھا جاتے ہیں پھر بھی ان کی بھوک نہیں مٹتی، پتہ نہیں ان لوگوں سے ہم عوام کی جان کب چھوٹے گی۔ تاریخ گواہ ہے کہ شروع سے لیکر اب تک یہی ہوا ہے کہ جب بھی دنیا کے حکمرانوں نے اپنے حدود سے تجاوز کیا قوم کو بھوک سے مارا، ان سے رزق چھینا، انسانیت کی خدمت کی بجائے اس کے جیبوں پر ڈاکہ ڈالا وہ تمام طاقتیں پاش پاش ہوئی۔ ایسے حکمران، ایسی ریاست تباہ و برباد ہو گئی جنہوں نے عوام کو کیڑے مکوڑے سمجھا وہ دنیا کے لئے درس عبرت بنی اور ان کا انجام اس طرح بھیانک ہوا جس کے بارے میں کبھی کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے آپ کو عقل و شعور جیسے نعمت سے نوازا ہے، آپ اپنا نفع نقصان سمجھ سکتے ہیں، آپ اپنے بارے میں بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں، آپ اپنے ایک ووٹ سے عوام کیلئے ایک بہترین لیڈر منتخب کر سکتے ہیں۔ اگر ہم اپنی مشکلات اور مسائل اور سابقہ حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مستقبل کی فکر کریں اور مسائل کے حل کیلئے غور و فکر کریں اور انتخابات میں سوچ سمجھ کر جذبات سے عاری ہو کر ایماندار، امانت دار اور قابل لیڈر کو ووٹ دیں تو ہمارا مستقبل بہتر بھی ہو سکتا ہے، ورنہ ہم پھر تاریخ سال مسائل کے چکی میں پستے رہینگے۔ اس ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر شخص اپنی اپنی ذمہ داری کا احساس کریں کیونکہ یہی وطن سے محبت کا اظہار ہے۔

موبائل: ۶۲۹۱۶۹۷۶۶۸

ہم آہنگ صحبت: سکون روح اور آسودگی کا سرچشمہ

ڈاکٹر مولانا محمد عبدالسمیع ندوی

اسسٹنٹ پروفیسر، مولانا آزاد کالج، اورنگ آباد

موبائل نمبر: ۹۳۲۵۲۱۷۳۰۶

انسانی زندگی محض سانسوں کے تسلسل کا نام نہیں، بلکہ احساسات، تعلقات اور باہمی ہم آہنگی کا ایک نازک مگر گہرا نظام ہے۔ انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے ایک سماجی مخلوق ہے، اور اس کی شخصیت کی تعمیر میں اس کے اردگرد موجود افراد کا کردار بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ دانش ہمیشہ اس بات پر زور دیتے آئے ہیں کہ انسان کو اپنی صحبت اور رفاقت کا انتخاب نہایت سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے۔ ہم اپنے سماج میں بیشمار حلقہ احباب پر نظر ڈالیں تو یقیناً جہاں ہمیں اچھے شریف النفس اور نیک لوگوں کا گروہ ملے گا وہیں بد طینت بد مزاج خائن مکار اور دھوکے باز افراد کا ٹولہ بھی مل جائے گا۔ اگر آپ اچھی صحبت اختیار کرتے ہیں اور خوش اخلاق اور نیکی کے پروردہ دوستوں کی صحبت آپ کو میسر آجائے تو سمجھئے آپ دنیا کے خوش نصیب لوگوں میں ہیں

اسی حقیقت کو نہایت بلیغ انداز میں ایک خوبصورت جملہ یوں بیان کرتا ہے: وُجُودُ مَن یَنَاسِبُ رُوحَكِ یُشبِهُ المَشِي فِي مُرُوجٍ لَا تنتهي، مليئة بالزهور یعنی ایسے لوگوں کے درمیان رہنا جو آپ کی روح سے ہم آہنگ ہوں، گویا ایک ایسے وسیع و عریض چمن میں چلنے کے مترادف ہے جو خوشبودار پھولوں سے بھرا ہوا ہو۔ یہ تشبیہ محض ایک ادبی اظہار نہیں بلکہ ایک گہری انسانی حقیقت کی ترجمان ہے۔

صحبت کا اثر: ایک ناقابلِ انکار حقیقت

جس طرح ایک سرسبز و شاداب وادی میں قدم رکھتے ہی انسان کے حواس معطر ہو جاتے ہیں، دل کو سکون ملتا ہے اور طبیعت میں انشراح پیدا ہوتا ہے، اسی طرح ہم مزاج اور ہم فکر افراد کی صحبت انسان کے باطن کو جِلا بخشتی ہے۔ ایسے لوگ نہ صرف ہمارے خیالات کو سمجھتے ہیں بلکہ ہمارے جذبات کی قدر بھی کرتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات بھی اس حقیقت کو پوری قوت کے ساتھ بیان کرتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "المرء علی دین خلیله" (آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے) یہ حدیث اس امر کی واضح دلیل ہے کہ صحبت کا اثر انسان کے عقائد، افکار اور کردار پر براہِ راست پڑتا ہے۔ اگر صحبت صالح ہو تو انسان سنور جاتا ہے، اور اگر فاسد ہو تو بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔

اقبالؔ نے اسی نکتے کو یوں بیان کیا:

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

ہم آہنگی: سکونِ قلب کی بنیاد

ہم آہنگی دراصل دلوں کے اس ربط کا نام ہے جہاں الفاظ کی بھی ضرورت کم پڑ جاتی ہے۔ جب انسان ایسے افراد کے درمیان ہوتا ہے جو اس کی روح کی زبان کو سمجھتے ہوں، تو وہاں تصنع باقی نہیں رہتا۔ انسان اپنی اصل کے ساتھ جیتا ہے، اور یہی کیفیت حقیقی اطمینان کا باعث بنتی ہے۔

غالبؔ نے انسانی دل کی کیفیت کو یوں بیان کیا:

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار، کوئی ہمیں ستائے کیوں

ایسے ماحول میں جہاں ہمدردی ہو، اخلاص ہو اور باہمی احترام ہو، وہاں انسان کے زخم بھی آہستہ آہستہ مندمل ہونے لگتے ہیں۔

عصری تناظر میں اہمیت

آج کے مادہ پرستانہ اور مفاداتی دور میں سچی اور ہم آہنگ صحبت کا مل جانا ایک بڑی نعمت ہے۔ اکثر تعلقات وقتی مفادات کی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں، جن میں نہ خلوص ہوتا ہے اور نہ پائیداری۔ ایسے میں وہ افراد جو ہماری روح کے لیے سکون کا باعث بنیں، یقیناً قیمتی اثاثہ ہیں۔

یہی بہت ہے کہ تم ساتھ ہو، یہ غنیمت ہے
کہ راستہ بھی سہل ہے، سفر بھی خوبصورت ہے

یہی وہ صحبت ہے جو انسان کو تھکن کے باوجود حوصلہ دیتی ہے، اور مشکلات کے باوجود امید کا چراغ روشن رکھتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہم آہنگ لوگوں کی موجودگی انسان کی زندگی کو ایک خوشبودار باغ میں بدل دیتی ہے۔ یہ نہ صرف اس کے دل کو سکون عطا کرتی ہے بلکہ اس کی شخصیت کو نکھارنے میں بھی کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم اپنی زندگی میں ایسے افراد کو جگہ دیں جو ہمارے لیے باعثِ رحمت ہوں، اور خود بھی دوسروں کے لیے راحت کا سبب بنیں۔

ممبئی میں مولا علی ریسرچ سینٹر کا قیام: ایک اہم پیش رفت

(مینارہ مسجد، محمد علی روڈ، ممبئی)

محسن رضا ضیائی

پروفیسر: لیڈی حوابائی جونیئر کالج، کیمپ، پونے
۹۹۲۱۹۳۴۸۱۲

کسی بھی معاشرے میں دینی، علمی اور فکری روایات کو پروان چڑھانے میں اشاعتی اور قلمی اداروں کا کردار نہایت ہی اہم ہوتا ہے، کیوں کہ اگر کتابیں موجود نہ ہوں اور انھیں شائع کرنے والے ادارے نہ ہوں تو قوم نہ صرف تعلیم سے محروم رہ جاتی ہے، بلکہ جہالت کے قعرِ عمیق میں جا گرتی ہے۔ اسی لیے انھیں معاشرے کی ہدایت و رہنمائی اور تعمیر و ترقی کے لیے ایک اہم ذریعہ تصور کیا جاتا ہے۔

لہٰذا اس طرح کے اشاعتی اور قلمی اداروں کا قیام مسلم معاشرے میں وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، جہاں سے مختلف موضوعات پر کتب و رسائل تیار کیے جائیں اور انھیں قوم و ملت تک پہنچایا جائے، اس لیے کہ موجودہ دور میں مسلم معاشرہ جن فتنوں اور چیلنجوں سے دوچار ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ آئے دن نت نئے فتنے پیدا ہو رہے ہیں، جو اپنے باطل عقائد و نظریات سے لوگوں کے ایمان و عقیدے پر شب خون مار رہے ہیں۔ اس کے لیے وہ جہاں تقریر و خطابت کا سہارا لے رہے ہیں، وہیں کتب و رسائل کے ذریعے پڑھے لکھے طبقے کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔ اس مشن کی تکمیل کے لیے ان کے پاس متعدد اشاعتی ادارے قائم ہیں، جہاں سے وہ اپنے گمراہ کن عقائد و نظریات کی بھرپور ترویج و اشاعت کر رہے ہیں۔

ایسے فتنہ پرور عناصر کا علمی رد و ابطال نہایت ضروری ہے، تاکہ عوام کے سامنے ان کی اصل حقیقت لائی جا سکے اور لوگوں کو ان کے دامِ تزویر میں پھنسنے سے بچایا جا سکے۔

اسی طرح الحادی فتنوں اور ان کی ریشہ دوانیوں کا مدلل اور مؤثر جواب دینا بھی امت کی اہم ذمہ داری ہے۔

الحمدللہ!

مینارہ مسجد، ممبئی کے منتظمین قابلِ مبارک باد ہیں، جنھوں نے عصرِ حاضر کی اس اہم ضرورت کو شدت کے ساتھ محسوس کیا اور قلمی و تصنیفی کاموں کے اہم مقصد سے مولا علی ریسرچ سینٹر کا قیام عمل میں لایا، جو یقیناً لائقِ تحسین اور قابلِ تقلید اقدام ہے۔

اس سینٹر کے چند اہم مقاصد ہیں، جو حسبِ ذیل ہیں:

(۱) اپنے اسلاف و اکابر کی کتب کو سہل اور جدید انداز میں شائع کرنا۔

(۲) اُردو اور مروجہ زبانوں میں عربی و فارسی کتب و رسائل کے تراجم و حواشی تیار کرنا۔

(۳) سینٹر کی تمام مطبوعات کو ملک کے ہر تعلیمی ادارے اور لائبریری تک پہنچانا۔

(۴) افادۂ عام کے لیے ہندی اور رومن میں بھی کتب و رسائل تیار کر کے غیر اُردو داں طبقے تک پہنچانا۔

اس کے علاوہ بھی دیگر اہداف و مقاصد ہیں، جنھیں عملی جامہ پہنانے کے لیے قابل اور ماہر قلم کاروں کی ایک مستحکم ٹیم شب و روز مصروفِ عمل ہے، جو تحقیق و تصنیف کا گراں بہا کام انجام دے رہی ہے۔ اس کے نتیجے میں اب تک مختلف زبانوں میں کئی علمی و تحقیقی اور درسی کتب منظرِ عام پر آ چکی ہیں، جو ملک کے بیشتر دینی و عصری اداروں اور لائبریریوں کی زینت بن چکی ہیں۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اس ادارے میں دینی و اشاعتی خدمات انجام دینے والے علما و قلم کاروں کا ذکر نہ کیا جائے، جن میں خاص طور پر قابلِ ذکر حضرات یہ ہیں:

(۱) * حضرت مولانا مظہر حسین علیمی صاحب *

(۲) * حضرت مولانا مفتی فاروق خان مہائمی مصباحی صاحب *

(۳) * حضرت مولانا توحید احمد علیمی طرابلسی صاحب * یہ تینوں حضرات تصنیف و تالیف کے میدان میں اپنی مثال آپ ہیں، جن کے اشہبِ قلم سے نکلے ہوئے متعدد کتب و رسائل آج اہلِ علم کی آنکھوں کا سرمہ بنے ہوئے ہیں اور انھیں علمی و فکری غذا فراہم کر رہے ہیں۔ ایسے باصلاحیت اور فعال قلم کاروں کی بدولت یہ سینٹر روز افزوں شاہراہِ ترقی پر گامزن ہے۔

ان کے علاوہ * حافظ محمد بلال اشرفی، حافظ محمد عمیر اشرفی اور حافظ محمد فیض اشرفی * جیسے متحرک افراد بھی ہیں، جو اس سینٹر کا حصہ بن کر مختلف دینی، علمی، قلمی اور اشاعتی سرگرمیاں انجام دے رہے ہیں۔

خیال رہے کہ اس سینٹر کے جملہ اخراجات و انتظامات مینارہ مسجد ٹرسٹ کے تحت انجام پاتے ہیں، جو نہ صرف ممبئی شہر کے لیے بلکہ پورے ملک کے لیے ایک مینارۂ نور ثابت ہوا ہے، جس نے خیر القرون کی مساجد کی یاد تازہ کر دی ہے۔ یہ دیگر مساجد کے ذمہ داران کے لیے ایک واضح پیغام ہے کہ وہ بھی مساجد کے حقیقی کردار کو سمجھیں اور وہاں سے دینی، علمی، قلمی، سماجی، ثقافتی اور اشاعتی خدمات انجام دے کر تلافیٔ مافات کی کوشش کریں۔

مؤرخہ ۱۹ اپریل ۲۰۲۶ء بمطابق ۱ ذی القعدہ ۱۴۴۷ھ بروز اتوار، سفر ممبئی کے دوران ناچیز نے مولا علی

ریسرچ سینٹر کا وزٹ کیا، جہاں رفیقِ محترم جواں سال قلم کار حضرت مولانا توحید احمد علیمی طرابلسی صاحب سے کافی دیر تک اہم اور حساس مسائل پر گفتگو ہوئی۔ اس دوران موصوف نے مولا علی ریسرچ سینٹر کی چند اہم مطبوعات عنایت فرمائیں

(۱) * جامع الفتاویٰ *

(مصنف: مفتی سید عبد الفتاح گلشن آبادی)
(تحقیق و تخریج: مفتی فاروق خان مہائمی مصباحی)

یہ مفتی سید عبد الفتاح حسینی قادری گلشن آبادی (ناسک، مہاراشٹر) کے فتاویٰ جات کا ایک عطر بیز مجموعہ ہے، جو آپ کے وصال کے تقریباً ایک سو چالیس سالوں کے طویل عرصے کے بعد زیورِ طبع سے آراستہ ہوا ہے۔ یہ ۶۶۰/ صفحات پر مشتمل فتاویٰ جات پر ایک تحقیقی اور تفصیلی کتاب ہے۔ مفتی سید عبد الفتاح علیہ الرحمہ نے اس میں بہت سے مشکل مسائل کو زیرِ بحث لایا ہے اور بڑی آسانی سے قرآن و احادیث اور فقہ و فتاویٰ کی عظیم کتابوں کی روشنی میں بہترین حل دریافت فرمایا ہے۔

یہ کتاب خاص طور سے علما، ائمہ اور طلبۂ کرام کے لیے بہت زیادہ مفید ہے۔ مفتی صاحب کا تعلق شہر ناسک سے تھا، جہاں رہ کر آپ نے دین و سنیت کی ترویج و اشاعت کے ساتھ ساتھ فقہ و فتاویٰ میں بھی وقیع خدمات انجام دیں۔ اخیر عمر میں آپ نے ممبئی میں قیام فرمایا، اور یہی پر آپ کا وصال بھی ہوا۔ مینارہ مسجد کے بیسمنٹ کے مغربی سمت آپ کا مزارِ پُرانوار واقع ہے۔

(۲) * غایۃ الجود بمعرفۃ وحدۃ الوجود *

(مصنف: قطبِ کوکن، امامِ ربانی فقیہ مخدوم علی بن احمد مہائمی شافعی)
(تحقیق و ترجمہ: مفتی فاروق خان مہائمی مصباحی)

یہ کتاب فقیہِ اعظم حضرت مخدوم فقیہ علی مہائمی شافعی کی تصنیفِ لطیف ہے، جو گرچہ ایک مختصر رسالہ ہے لیکن اپنے اندر کئی ایک علمی و تحقیقی بحثوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ خاص طور سے وحدۃ الوجود ہر قرن و صدی میں ایک اختلافی مسئلہ رہا ہے۔ اغیار کی طرف سے بھی اِس کے رد و انکار پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ لیکن فقیہ اعظم علیہ الرحمہ نے نہایت ہی ایجاز و اختصار کے ساتھ وحدۃ الوجود کو واضح دلیلوں سے ثابت فرمایا ہے اور ساتھ ہی ساتھ عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کو بھی طشت از بام فرما دیا ہے۔ یہ رسالہ اپنے موضوع اور منہج کے لحاظ سے بہت اہم ہے جس کا مطالعہ مسئلۂ وحدۃ الوجود کی باریکیوں کو سمجھنے میں معاون ثابت ہو گا۔

(۳) * شرح سید الاستغفار *

(مصنف: قطبِ کوکن، امامِ ربانی فقیہ مخدوم علی بن احمد مہائمی شافعی)
(تحقیق و ترجمہ: مفتی فاروق خان مہائمی مصباحی)

یہ ادعیہ و اذکار پر ایک گراں بہا کتاب ہے، جس کی اہمیت و افادیت کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ اسے حضرت مخدوم فقیہ علی مہائمی نے ترتیب دیا ہے۔ اِس کتاب میں بخاری شریف میں موجود ایک دعا جسے "سید الاستغفار" کہا جاتا ہے، اس کی مختصر شرح ہے، جسے مخدوم فقیہ علی مہائمی نے نہایت ہی جامع اور رقت آمیز انداز میں پیش کیا ہے۔

اگر اِس کتاب کے اذکار و ادعیہ کو پڑھا جائیں تو یقیناً اس کے برکات و حسنات حاصل ہوں گے۔

(۴) * ضمیر الانسان *

(مصنف: سید ابراہیم بن سید محمد قادری حسینی مدنی کلیانی) (ترجمہ و تحقیق: مفتی فاروق خاں مہائمی مصباحی)

یہ کتاب حضرت مخدوم فقیہ علی مہائمی کے احوال و آثار پر لکھی ہوئی ایک مستند دستاویزی کتاب ہے، جسے حضرت سید ابراہیم بن سید محمد قادری حسینی مدنی کلیانی نے تصنیف کیا ہے۔ آپ تیرہویں صدی عیسوی کے ایک زبردست عالم تھے، جنھوں نے کلیان، مہاراشٹر میں آنکھ کھولی اور وہیں پر پردہ بھی فرمایا۔ کلیان اسٹیشن سے دو کلومیٹر کی دوری پر آپ کا مزارِ اقدس واقع ہے۔

(۵) * نکاحِ مصطفیٰ: شہوت یا حکمت *

(مصنف: مفتی فاروق خاں مہائمی مصباحی)

یہ علمی و عقلی دلائل سے مزین اور احادیثِ مصطفیٰ ﷺ سے مبرہن نہایت وقیع رسالہ ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ کے نکاح پر اعتراض کرنے والوں کو علمی اور سنجیدہ انداز میں جواب دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ رسول اللہ ﷺ کے نکاح کے مختلف فوائد اور پہلوؤں کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ خاص طور پر آپ کے نکاح کے پسِ پردہ جو حکمتیں پوشیدہ تھیں، انہیں احادیث اور دیگر دلائل کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔

یہ بات کسی سے مخفی نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے نکاح سے متعلق مستشرقین اور بعض غیر مسلم اہلِ قلم کی جانب سے مختلف قسم کے اعتراضات اور اشکالات پیش کیے گئے ہیں، جن کا مقصد غلط فہمیوں کو جنم دینا ہے۔

اِس رسالے کا مطالعہ نکاحِ مصطفیٰ ﷺ کے تعلق سے نہ صرف ذہن و فکر کو صاف کرے گا بلکہ غیروں کے ذریعہ اٹھائے گئے سوالات اور اعتراضات کا جواب دینے کے بھی قابل بنائے گا۔

مندرجہ بالا سطور میں ہم نے ان کتابوں کا مختصر تعارف اور اجمالی تجزیہ پیش کیا ہے، حالاں کہ ان کے فنی محاسن، علمی مباحث اور موضوع و مواد پر مزید تفصیل سے بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔

سینٹر کی جملہ مطبوعات کی خاص بات یہ ہے کہ زیادہ تر کام اسلاف و اکابر کی کتابوں پر ہوا ہے، جن میں ترجمہ، تحقیق، تدوین، حواشی اور تزئین شامل ہے۔ یقیناً یہ اسلاف شناسی کا واضح ثبوت ہے، اِس اہم اور نمایاں خدمات پر پھر سے مینارہ مسجد کے ذمہ داران خاص طور عبد الوہاب اشرفی، جاوید پاریک، آصف میمن اور سلیمان سوریہ اور اس کے تمام سرگرم افراد کی خدمت میں گلہائے تہنیت و تبریک پیش ہیں، جنھوں نے امت کی طرف سے فرضِ کفایہ ادا کرنے کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر اُٹھائی ہے۔

ان کے علاوہ مولانا توحید احمد علیمی طرابلسی صاحب نے اپنی تین اہم تحقیقی کتب بھی ہمیں پیش کی جن کا مختصر تعارف یہ ہے:

(۶) * مسند الربیع بن صبیح السعدی البصری *

(جمع و تدوین: مولانا توحید احمد علیمی طرابلسی)

یہ کتاب حضرت ابو حفص ربیع بن صبیح السعدی البصری کی مسانید و مرویات پر مشتمل ایک ضخیم علمی دستاویز ہے۔ آپ کو برصغیر (ہندوستان) میں ابتدائی محدثین میں شمار کیا جاتا ہے، بلکہ بعض اہلِ علم کے نزدیک اس خطے کے پہلے محدث ہونے کا شرف بھی آپ ہی کو حاصل ہے۔ حضرت ربیع بن صبیح السعدی البصری علیہ الرحمہ تبع تابعین میں سے اور ثقہ و صدوق محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ نہ صرف ایک عظیم عالمِ حدیث تھے بلکہ عابد، زاہد اور مجاہدِ اسلام بھی تھے۔ اسی جذبۂ جہاد کے تحت آپ مجاہدین کے ایک قافلے کے ساتھ سندھ تشریف لائے اور یہیں سنہ ۱۶۰ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ اس خطے میں اشاعتِ حدیث کے اولین علمبردار کے طور پر بھی آپ کو یاد کیا جاتا ہے۔

امام ذہبی نے اپنی مشہور کتاب سیر اعلام النبلاء میں آپ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"تُوُفِّيَ بِالسِّنْدِ سَنَةَ سِتِّينَ وَمِائَةٍ"
(آپ کا انتقال سندھ میں سنہ ۱۶۰ھ میں ہوا۔)

آپ کے شاگردوں میں حضرت سفیان ثوری، حضرت عبد اللہ بن مبارک اور ابو داؤد طیالسی جیسے جلیل القدر محدثین شامل ہیں۔ یہ کتاب علمی، تحقیقی اور تاریخی ہر اعتبار سے نہایت اہمیت کی حامل ہے جس کا مطالعہ علم میں اضافے کا باعث ہو گا۔

(۷) * مسند کہمس بن الحسن القیسی البصری *

(جمع و تدوین: مولانا توحید احمد علیمی طرابلسی)

یہ کتاب حضرت کہمس بن الحسن القیسی البصری کے احوال، آثار اور مرویات پر مشتمل ایک مفصل تاریخی و تحقیقی تصنیف ہے، جو ۳۶۸/ صفحات پر محیط ہے۔

آپ ایک بلند پایہ محدث ہیں۔ آپ نے متعدد تابعین اور محدثین سے احادیث روایت کیں جس کی ائمۂ جرح و تعدیل نے تصدیق کی اور آپ کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے، جن میں امام احمد، امام ابو داؤد اور امام ابن ابی خیثمہ رحمہم اللہ جیسے اکابر محدثین بھی شامل ہیں۔

آپ نہایت متقی اور پرہیزگار انسان تھے اور ہمہ وقت خوف و خشیتِ الٰہی میں مستغرق رہتے تھے۔ امام عبد الوہاب شعرانی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب تنبیہ المغترین میں لکھا ہے کہ:

حضرت کہمس بن حسن چالیس سال تک روتے رہے، صرف اس بات کے خوف سے کہ ایک دن انہوں نے اپنے ہمسائے کی مٹی سے بغیر اجازت ہاتھ دھو لیے تھے۔ آپ اُس وقت ہندوستان (سندھ) تشریف لائے جب محمد بن قاسم یہاں وارد ہوئے۔ آپ نے ان کے ہمراہ راجہ داہر کے خلاف جہاد میں بنفسِ نفیس شرکت کی، اور اس جنگ میں راجہ داہر کو شکستِ فاش ہوئی۔ بعد ازاں آپ مکہ مکرمہ میں قیام پذیر ہو گئے، جہاں سنہ ۱۴۹ھ میں آپ کا وصال ہوا اور وہیں آپ مدفون ہیں۔

(۸) * حضرت نوح علیہ السلام کا اسلوبِ دعوت و تبلیغ *

(تصنیف: مولانا توحید احمد علیمی طرابلسی)

حضرت نوح علیہ السلام کے واقعات و حالات اور آپ کے اسلوبِ دعوت و تبلیغ پر اُردو زبان میں اپنی نوعیت کی منفرد کتاب ہے، جس میں مصنفِ علام نے نہایت ہی عرق ریزی اور جاں فشانی سے قرآن و احادیث اور دیگر عربی کتب سے مواد اکٹھا کر کے ایک مستند دستاویز تیار کیا ہے۔ اِس کتاب پر راقم السطور کی ایک طویل تقریظ بھی ہے۔

یہ کتاب خاص طور سے دعاۃ و مبلغین اور علما و ائمۂ کرام کے لیے ایک شان دار تحفہ ہے کہ وہ اِس کا مطالعہ کریں اور حضرت نوح علیہ السلام کے دعوتی و تبلیغی اسلوب کو اپنائیں۔

نوٹ: یہ کتابیں اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن، حیدر آباد، دکن سے شائع ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ اِس ادارے کے جملہ معاونین، محبین اور مخلصین کو دارین کی نعمتیں عطا فرمائے اور اِس ادارے کو دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم

اُردو زبان اور اُس کی ترقی

اسعد احمد مُجدّدی اسد

راس الخیمہ (م۔ع۔ا)

اُردو زبان سبھی جانتے ہیں ہندوستان میں جنمی یہ زبان آج دُنیا کے کونے کونے، دُنیا میں پوری طرح پھیل گئی ہے دراصل اُردو زبان ترکی کا لفظ ہے جس کے معنی لشکر کے ہیں یہ زبان آج بہت وسیع ہے کیوں نہ ہو اس کی وساعت یہ زبان کئی زبانوں کی ملی ہوئی زبان ہے جس میں برج بھاشا سے لے کر عربی، فارسی، ترکی، انگریزی، ہندی، سنسکرت اور کئی زبانوں سے مل کر بنی ہے ہندوستان اس کی جا پیدائش ہے ہندوستان میں تقریباً پانچ سو زبانیں بولی جاتی ہیں اور تقریباً بولی جانے والوں زبانوں کی آمیزش اُردو زبان میں پائی جاتی ہے ایک تحقیقی اطلاع کے مطابق اُردو زبان میں اُردو الفاظ، جملوں، محاروں کا ذخیرہ قریب سات سے دس فیصد تک ہے اگرچہ یہ زبان مسلمانوں کے تقریباً نوادفیصد لوگ اس زبان کو اپنائے ہیں مگر یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ یہ زبان مسلمانوں کی ہے ایک بڑا طبقہ اور ہندوستان کا ایک بڑا حصّہ اس زبان میں نہ ہی بات چیت کو اپنایا ہے بلکہ اپنی مادری زبان بھی بنایا ہے یہی نہیں اس زبان کی بدولت نام اور شہرت بھی حاصل کی ہے نہ ہی شہرت حاصل کی ہے بلکہ اس زبان میں شاعری، افسانہ نگاری، ناول نگاری بلکہ ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کر کے کتابیں لکھی ہیں۔ شاعری میں دیوان بھی موجود ہیں ایسے شعرائے کرام، افسانہ نگار، ناول نگار کے نام اگر لکھنا شروع کریں تو ایک لامتناہی سلسلہ چل پڑے گا جس کا خاتمہ نہ ممکن ہے میں ان بے شمار ان گنت ناموں میں سے چند ایک کے نام اور ذکر مناسب سمجھتا ہوں۔ اُردو میں غیر مسلم شاعر، نقاد، شاعر افسانہ نگار، ناول نگار میں منشی پریم چند، کرشن چندر، لال لعل، جوگیندر پال، راجندر سنگھ بیدی، کمار پاشی، گوپی چند نارنگ یہ تو مشہور و معروف اُردو قلم کار ہیں اور جنھوں نے حکومت ہند کی جانب سے اعلیٰ و ارفع عہدوں پر فائز بھی رہے اور انعام و اکرام سے بھی کے تعلق سے کئی ایک ایسے ثبوت موجود ہیں جو کہ یہ زبان ہندوستان میں پیدا ہوئی یہی پلی بڑی ہوئی، پروان چڑھی اس بات کا اعتراف ملک کے بہ وقار عہدوں پر فائز سبھی حضرات نے کیا ہے، چاہے وہ ملک کے وزیر اعظم ہو، صدر ہو کہ کسی بھی پارٹی کے صدر سکریٹری ہو سبھی نے بلاچوں و بلا جھجک اُردو زبان کو تسلیم کیا۔ اس زبان کو پھلنے اور پھولنے کا حق ہے تمام زبانوں میں سے ایک اہم زبان ہے جس کا اعتراف ہندوستان کی کرنسی پر ان ملک کی چودہ (۱۴) زبانوں میں سے ایک زبان اُردو بھی موجود ہے۔ اُردو زبان کی تاریخ بہت پرانی ہے اس زبان کی شیرینی اور مٹھاس کی وجہ سے ہند کی دوسری مختلف زبانوں میں شیر و شکر کی طرح ملی ہوئی ہے، ملک کے گوشے گوشے میں کونے کونے میں گاؤں دیہات قصبہ میں یہ زبان نہایت آسانی سے بولی اور سمجھی جاتی ہے جسے یہ زبان نہ ہی دوسری زبانوں کو آپس میں ملاتی ہے بلکہ ایک دوسرے کو نزدیک اور قریب تر لانے میں معاون ثابت ہوئی ہے اُردو زبان اپنی فطرت سے بڑی خلیق ملنسار اور ہر ایک سے محبت و الفت کا پیغام دیتی ہے ہمارے ملک کے عوام جب بھی آپس میں گفتگو کرتے ہیں اور کہیں کسی قسم کی کھٹاس اور بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے تو فوراً اُردو زبان کا سہارا لے کر اُردو شعر و شاعری سے ماحول کو خوب صورت اور خوش گوار بنا دیتی ہے جس کی وجہ سے آپسی رنجش اور ٹکراؤ کی کیفیت ختم ہو جاتی ہے ملک کے کم و بیش سبھی حضرات خواہ مرد ہو کہ عورت اسکول کے طالب علم ہو کہ بچے بوڑھے بول چال میں اُردو زبان کا استعمال کر کے اپنے کاروبار اور نجی خیالات کا اظہار کر کے زندگی کے ہر قدم پر کامیاب و کامران ہوتے ہیں۔

ہندوستان ایک ان گنت زبانوں کا ملک ہے جس میں کم و بیش ۳۰ زبانیں موجود ہیں اور بولی والی زبان کی تعداد بہت زیادہ ہے دُنیا میں ایک سروے کے مطابق دُنیا میں سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان مینڈارن اور انگلش کے علاوہ تیسرے نمبر پر اُردو زبان ہی ہے مانا کہ سنسکرت زبان کی تاریخ بہت ہی پرانی ہے اور اُردو زبان کی تاریخ ابتدا بارھویں صدی عیسوی شروع ہوتی ہے اُردو زبان جو کہ ایک مشترکہ زبان ہے جس میں سنسکرت، عربی، فارسی، ہندی کے الفاظ موجود ہیں یہی وجہ ہے کہ اُردو زبان کی ابتدائی ارتقائی دور میں ہی کافی شہرت نصیب ہوئی اور ایک دور ایک صدی ایسی گذری جس میں خود حاکمِ وقت اور حکمران کی زبان ہو گئی اور خود حاکمِ وقت کا سرپرستی و نگرانی میں اُردو زبان خوب پروان چڑھی ایک وقت ایسا بھی آیا اسی ملک کی دفتری عدالتی یہاں تک کہ تعلیمی زبان بن گئی۔ اور جب ہندوستان آزاد ہو اس کا آئین مرتب کیا گیا تو آئین میں دستوری حیثیت اختیار کر گئی اور ایک مخصوص طبقہ بلکہ سبھی کو اس میں شامل کر کے دستور کے آئین میں آرٹیکل نمبر (۲۹) اور (۳۰) اور (۳۵۰ اے) کے تحت اقلیتوں کی زبان قرار دی گئی اس کا رسم الخط طے کیا گیا اس کی لسانی اور ثقافتی تحفظ فراہم کی گئی اس لحاظ سے یہ ضابطہ قانونی دائرے میں رہ کر اقلیت اور اس سے تعلق رکھنے والا طبقہ ملک کے کسی بھی کونے میں اپنی زبان و بیان کا حق رکھتا ہے۔ اپنی زبان و مذہب کا بہ ضابطہ حق حاصل ہے اپنی زبان کا استعمال کر کے اس کی ترقی و فروغ میں تعلیمی ادارے قائم کر سکتا ہے اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنا اس کا بنیادی حق ہے ملک کا کوئی بھی ریاست خواہ تلنگانہ ہو یا اندھیرا، مہاراشٹر ہو یا پھر ملک کسی بھی ریاستی حکومت سبھی جگہ قانون نافذ العمل کرتے وقت اُن کا اپنا بنیادی حق جمہوریت کو روک نہیں سکتی۔

آج اُردو جیسی زبان کو اس کے حق سے محروم کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں اپنے پیدائش ملک میں یتیم ہو کر رہ گئی آج اس کا پرسانِ حال کوئی نہیں۔ اتنی تعصبیت آگئی ہے کہ بڑے بڑے لوگ بھی خاموش تماشائی بن گئے ہیں ایسے وقت میں ہمیں پر یہ فرائض عائد ہوتے ہیں کسی بھی طرح سے حق حاصل کرنے کے لیے اپنا اثر و رسوخ کو استعمال کریں جمہوری انداز میں ناانصافی کے خلاف آواز بلند کریں میری آواز سے بڑھ کر ہے ہماری آواز۔ ہم سب متحد ہو کر قانونی کاروائی کریں اپنے بچوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کریں ہمارے نونہالوں میں پنہاں جوہر ہیں اس کو اجاگر کرنے کے لیے اپنی مادری زبان کا سہارا لیں۔ اس میں تعلیم دلوائیں اچھی تربیت اور پرورش سے انھیں ملک کا باوقار شہری بنوائیں، استادوں کا بڑا اہم رول ہوتا ہے انھیں قابلیت اور علمیت کا خزانہ عطا کریں والدین بھی اپنی نگرانی و سرپرستی میں کوئی کسر نہ چھوڑیں۔ اپنی مادری زبان میں تعلیم دلوائیں، قابل بنوائیں اور علم کے سمندر میں غوطہ زن ہو جائیں اُردو زبان جو آج انتہائی نازک دور سے گذر رہی ہے اس کا مقابلہ کریں اور اس کو اس کا حق دلوانے میں بچوں کو اپنی علمیت و قابلیت کا مظاہرہ کرنے کی ترغیب دلوائیں جو زبان زندہ رہنے کے لیے آئی ہے وہ ایسے کیسے ختم ہو سکتی ہے اس کی مقبولیت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ اسمبلی و پارلیمنٹ میں اس زبان کے اشعار گونجتے ہیں یعنی اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس زبان کا ہر کوئی معترف ہے سبھی کو معلوم ہے اس زبان کی بدولت بڑے بڑے انقلابیات آئے ہیں۔

سائنسی اعتبار سے ہو کہ ریاضی سبھی جگہ اُردو زبان نے اپنا لوہا منوایا ہے ملک کے سبھی چھوٹے بڑے ادارے انجمنیں، محکمہ بڑے فاضل و عاقل دانشور مفکر مدبر غرضیکہ سبھی ادیب، شاعر، نقاد، اسکالرز، فنکار کو میدان عمل میں آنا چاہیے اور اُردو کو اس کا جائز حق و مرتبہ دلانا چاہیے ناامیدی کمزوری کی علامت ہے بھرپور امید و حوصلہ کے ساتھ نئے جوش و جذبہ کے ساتھ اپنی سرگرمیاں تیز کرنا ہو گا تاکہ ہندوستان کی بیٹی اپنے پورے آب و تاب کے ساتھ جگمگا اٹھے اور تاقیامت صحیح اور سلامت رہے سکے۔

جو زندہ رہنے کو آئے وہ کیسے ہو برباد
اسدؔ لگاؤ یہ نعرہ کہ "اُردو زندہ باد"

یہ پیاری اُردو کہ جس کا نہیں ہے کوئی بدل
حسین ایسی ہے جیسے جمالِ تاج محل
ہر ایک دیس نواسی نے پائی یہ میراث
وہ رام ہو کہ کرم سنگھ ہو یا کہ میر غیاث
ہے مسجدوں میں مقدس، پوتر مندر میں
ہر اک گلی میں چلن اور گذر ہے ہر گھر میں
وہ جو کہ بولتے ہیں بھانت بھانت کی بُولی
تو سنیے اُن سے بھی اُردو جمع ہو تب ٹُولی
کہیں بھی جائیے اُردو ضرور پائیں گے
سمجھنے بونے ولاے تو مل ہی جائیں گے
ادب میں شعر میں اُونچا مقام ہے اِس کا
سماج کے سبھی شعبوں میں نام ہے اِس کا
زوال اس کو کبھی آئے غیر ممکن ہے
دلوں سے محو یہ ہو جائے غیر ممکن ہے
ہے اس کے نور سے روشن سماج کی دُنیا
اِسی کے نام سے ہے آباد راج کی دُنیا
رہے گا قائم و دائم مدام دُنیا میں
چلے گا سکۂ اُردو تمام دُنیا میں
جو زندہ رہنے کو آئے وہ کیسے ہو برباد

"آدھی آبادی کا آدھا ادھورا چشمہ"

منوج کمار
سابق جج و سابق لوک سبھا امیدوار، نگینہ

"کیا غضب کا جادو ہے ہمارے سیّادل کے دانشوروں میں! گھروں کے مردوں کی ذات پوچھ کر انہیں 'او بی سی' کا سرٹیفکیٹ تھما دیا جاتا ہے، لیکن انہی گھروں کی عورتیں پارلیمنٹ کی دہلیز پر پہنچتے ہی 'ذات سے عاری' ہو جاتی ہیں۔ شاید ہمارے پالیسی سازوں کو لگتا ہے کہ پسماندگی صرف مردوں کی جاگیر ہے، اور عورتوں نے تو جدوجہد کے سارے پڑاؤ پار کر کے سیدھے جنت میں رکنیت حاصل کر لی ہے!"

"ایک طرف تو ہم کہتے ہیں کہ 'ذات نہ پوچھو سادھو کی'، اور دوسری طرف بغیر ذات دیکھے حق دینے میں ہاتھ کانپتے ہیں۔ ایس سی / ایس ٹی بہنوں کو ان کا حق ملا، جو قابلِ ستائش ہے، لیکن او بی سی خواتین کو یہ کہہ کر ٹال دیا گیا کہ اس پر بعد میں غور کیا جائے گا... یہ بے حسی او بی سی سماج کی عورتوں کے لیے کیوں ناقابلِ فہم ہے؟ تو کیا یہ مان لیا جائے کہ بھارت کی سڑکوں پر ذات پات ہے، دفاتر میں ذات پات ہے، لیکن سیاست کی مخملی کرسیوں پر بیٹھتے ہی ذات پات کا وائرس مر جاتا ہے؟"

"یہ فریب نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ تو وہی بات ہوئی کہ دعوت سب کو دی گئی ہے، لیکن تھالی صرف ان کے لیے سجائی گئی ہے جن کے پاس پہلے سے اپنا چمچ ہے۔ پسماندہ عورتوں سے کہا جا رہا ہے کہ تم پہلے مردوں کی بھیڑ میں اپنی ذات کے لیے لڑو، اور پھر عورتوں کی بھیڑ میں اپنی حیثیت کے لیے۔ واہ!

اسے سازش کہیں یا 'سیاسی کامیڈی'؟"

کیا خواتین کے معاشرے میں ذات پات ختم ہو چکی ہے؟ اس سوال پر طنز کرنا بھی ضروری ہے، کیونکہ حقیقت اس کے برعکس ہے:

مراعات کا پردہ: اکثر خوشحال طبقے کی عورتیں کہتی ہیں کہ "ریزرویشن ذات پر نہیں، جنس (جینڈر) پر ہونا چاہیے۔" یہ کہنا آسان ہے کیونکہ ان کے پاس وسائل اور تعلیم کی وراثت موجود ہے۔ ایک کھیت میں کام کرنے والی او بی سی عورت اور شہر کے کانونٹ اسکول سے پڑھی عورت کی دوڑ ایک ہی ٹریک پر کیسے ہو سکتی ہے؟

دوہرا معیار: جب شادیوں کی بات آتی ہے تو 'ذات' سب سے اوپر ہوتی ہے۔ جب ووٹ بینک کی بات آتی ہے تو بھی 'ذات' سب سے اوپر ہوتی ہے۔ لیکن جب اقتدار میں حصہ داری دینے کی بات آئی، تو اچانک خواتین کے سماج کو 'ذات سے پاک' قرار دے دیا گیا؟

نمائندگی کی کمی: اگر ذات پات ختم ہو چکی ہوتی، تو آج بغیر ریزرویشن کے بھی پارلیمنٹ میں پسماندہ اور انتہائی پسماندہ طبقوں کی عورتوں کی تعداد ان کی آبادی کے تناسب میں ہوتی۔ مگر حقیقت کیا ہے؟ وہاں آج بھی چند مخصوص طبقات کا ہی غلبہ ہے۔

یہ سمجھنا یا سمجھانا کہ عورتوں میں ذات پات نہیں ہے، ایسا ہی ہے جیسے یہ کہنا کہ "اندھیرے میں سورج نکل آیا ہے۔" جب تک سماجی حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے 'کوٹے کے اندر کوٹا' نہیں دیا جاتا، تب تک یہ ناری... سماجی انصاف کی کسوٹی پر ادھوری ہی رہے گی۔

جے بھیم! جے بھارت! جے آئین!

سابق جج و سابق لوک سبھا امیدوار، نگینہ — منوج کمار

ایمان کا درخت: دل کی آبیاری کا روحانی سفر

محمد علی شیر قادری نظامی سکونت: روضہ شریف، مہوتری نیپال

انسانی دل کی کیفیت کو اگر کسی خوبصورت اور بامعنی مثال سے سمجھنا ہو تو وہ ایک درخت کی مثال ہے۔ ایک ایسا درخت جو بظاہر خاموش کھڑا ہوتا ہے، مگر اس کے اندر زندگی کی ایک مسلسل لہر دوڑ رہی ہوتی ہے۔ اسی طرح ایمان بھی ایک زندہ حقیقت ہے، جو دل کی زمین میں پروان چڑھتا ہے۔ مگر جس طرح کوئی درخت پانی، روشنی اور نگہداشت کے بغیر سرسبز نہیں رہ سکتا، ویسے ہی ایمان بھی ذکرِ الٰہی، نماز، تلاوتِ قرآن اور اعمالِ صالحہ کے بغیر زندہ اور توانا نہیں رہ سکتا۔ اہلِ تصوف نے دل کو ایک باغ سے تعبیر کیا ہے اور ایمان کو اس باغ کا سب سے قیمتی درخت قرار دیا ہے۔ اگر اس باغ کی دیکھ بھال نہ کی جائے تو اس میں خودرو جھاڑیاں، کانٹے اور نقصان دہ بیلیں اگ آتی ہیں۔ یہی حال اس دل کا ہے جو اللہ کی یاد سے غافل ہو جائے۔ غفلت دراصل روح کی بیماری ہے، اور اس کا علاج ذکرِ الٰہی ہے۔ ذکر وہ آبِ حیات ہے جو ایمان کے درخت کی جڑوں کو سیراب کرتا ہے۔ جب بندہ "اللہ، اللہ" کی صدا اپنے دل میں جگاتا ہے، تو اس کے اندر ایک نور پیدا ہوتا ہے، جو آہستہ آہستہ اس کے پورے وجود کو منور کر دیتا ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ ذکر صرف زبان کا عمل نہیں بلکہ دل کی بیداری کا نام ہے۔ جب دل بیدار ہو جائے تو پھر ہر سانس ذکر بن جاتا ہے، ہر لمحہ عبادت میں ڈھل جاتا ہے۔ نماز اس درخت کے لیے نورِ آفتاب کی مانند ہے۔ یہ وہ نور ہے جو نہ صرف ایمان کو جلا بخشتا ہے بلکہ بندے کو اس کے رب کے حضور کھڑا ہونے کا شعور بھی دیتا ہے۔ نماز ایک معراج ہے، ایک ایسا لمحہ ہے جہاں بندہ اپنی عاجزی اور فقر کا اقرار کرتا ہے اور رب کائنات کی کبریائی کے سامنے سر جھکا دیتا ہے۔ جو شخص نماز کو صرف فرض سمجھ کر ادا کرتا ہے، وہ اس کی ظاہری صورت کو پاتا ہے، مگر جو اسے محبت اور حضوری کے ساتھ ادا کرتا ہے، وہ اس کے باطنی انوار سے فیض یاب ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید اس ایمان کے درخت کی غذا ہے، بلکہ یوں کہیے کہ یہ اس کی روحانی کھاد ہے جو اسے قوت اور استقامت عطا کرتی ہے۔ قرآن صرف پڑھنے کی کتاب نہیں، بلکہ جینے کا دستور ہے۔ جب انسان قرآن کو سمجھ کر پڑھتا ہے، اس کی آیات میں غور و فکر کرتا ہے، تو اس کے دل پر پڑ06CC غفلت کی گرد چھٹنے لگتی ہے۔ تصوف کی زبان میں قرآن "کلامِ محبوب" ہے، اور عاشق کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ وہ محبوب کے کلام میں ڈوب جائے، اس کے ہر لفظ کو اپنے دل پر نقش کر لے۔ اعمالِ صالحہ اس درخت کی نگہداشت اور حفاظت ہیں۔ جس طرح ایک مالی اپنے باغ کی حفاظت کرتا ہے، ویسے ہی ایک مومن کو اپنے ایمان کی حفاظت کرنی ہوتی ہے۔ حسد، تکبر، ریا اور دنیا کی بے جا محبت وہ کیڑے ہیں جو ایمان کے درخت کو اندر سے کھوکھلا کر دیتے ہیں۔ ان سے بچاؤ کے لیے اخلاص، عاجزی، صبر اور شکر جیسے اوصاف اپنانا ضروری ہے۔ جب بندہ اپنے اعمال کو اللہ کی رضا کے لیے خالص کر لیتا ہے، تو اس کا ایمان ایک مضبوط درخت بن جاتا ہے، جس کی جڑیں زمین میں گہری اور شاخیں آسمان کی طرف بلند ہوتی ہیں۔ اہلِ دل فرماتے ہیں کہ ایمان کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ انسان کا دل اللہ کی طرف مائل رہے۔ اگر دل دنیا میں کھو جائے اور آخرت سے غافل ہو جائے، تو سمجھ لینا چاہیے کہ ایمان کمزور ہو رہا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ انسان اپنے دل کا محاسبہ کرتا رہے، اپنے اعمال کا جائزہ لیتا رہے اور اپنے رب سے تعلق کو مضبوط بنانے کی کوشش کرتا رہے۔ آخرکار، یہ بات سمجھ لینا چاہیے کہ ایمان کوئی جامد شے نہیں بلکہ ایک مسلسل سفر ہے۔ یہ ایک ایسا درخت ہے جسے ہر روز پانی دینا پڑتا ہے، ہر لمحہ روشنی کی ضرورت ہوتی ہے اور ہر وقت نگہداشت درکار ہوتی ہے۔ جو شخص اس حقیقت کو پا لیتا ہے، وہ نہ صرف اپنی زندگی کو سنوار لیتا ہے بلکہ دوسروں کے لیے بھی ہدایت اور روشنی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ایمان کی حفاظت کرنے، اسے مضبوط بنانے اور اسے ایک تناور درخت کی طرح پروان چڑھانے کی توفیق عطا فرمائے، تاکہ ہم دنیا میں بھی کامیاب ہوں اور آخرت میں بھی سرخرو ٹھہریں۔ آمین۔

کلاسیکی و جدید ادب کا فکری محاکمہ

غلام جیلانی قمر
خیرا، بانکا (بہار)

ادب انسانی شعور کا آئینہ ہے، اور ہر دور کا ادب اپنے عہد کی فکری، تہذیبی اور نفسیاتی کیفیت کا ترجمان ہوتا ہے۔ جب ہم کلاسیکی اور جدید ادب کا موازنہ کرتے ہیں تو دراصل ہم دو مختلف زمانوں کی روح، ان کے زاویۂ فکر اور ان کے طرزِ احساس کا تقابل کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ تقابل محض اسلوب یا زبان کا نہیں بلکہ ایک مکمل فکری نظام کا تقابل ہے، جس میں مقصد، نظریہ، اخلاق اور اظہار سب شامل ہیں۔

کلاسیکی ادب ایک ایسی مستحکم روایت کا امین ہے جو صدیوں کے تجربات، تہذیبی ارتقا اور فکری پختگی سے گزر کر ہم تک پہنچی ہے۔ اس میں ایک خاص توازن، وقار اور سنجیدگی پائی جاتی ہے۔ میر، غالب، سودا اور اقبال جیسے شعرا کا کلام اس بات کی روشن دلیل ہے کہ کلاسیکی ادب محض جذبات کا اظہار نہیں بلکہ ایک گہری فکری اور روحانی وابستگی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس ادب میں عشق محض ایک ذاتی کیفیت نہیں رہتا بلکہ وہ ایک آفاقی حقیقت کی صورت اختیار کر لیتا ہے، جیسا کہ میر تقی میر کے ہاں کائنات اور انسانی وجود کی بے ثباتی کا ملاپ نظر آتا ہے:

جس سر کو غرور آج ہے یاں تاجوری کا
کل اس پہ یہیں شور ہے پھر نوحہ گری کا
آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت
اسباب لٹا راہ میں یاں ہر سفری کا

کلاسیکی ادب کی زبان اپنے اندر ایک خاص شائستگی، لطافت اور بامحاورہ پن رکھتی ہے۔ الفاظ کا انتخاب ہو یا تراکیب کی بندش، ہر چیز ایک باقاعدہ اصول اور معیار کے تحت ہوتی ہے۔ اس میں ایک ایسا اعتدال ہوتا ہے جو اسے ہر دور کے لیے قابلِ قبول بنا دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کلاسیکی ادب میں ایک اخلاقی دائرہ اور اجتماعی شعور بھی موجود ہوتا ہے۔ یہاں تصوف اور روحانیت کے پردے میں زندگی کے بڑے حقائق بیان کیے جاتے ہیں۔ خواجہ میر درد کے ہاں اس مابعد الطبیعیاتی شعور کی جھلک ملاحظہ ہو:

جگ میں آ کر ادھر ادھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا
جان سے ہو گئے بدن خالی جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا

کلاسیکی شعرا کے ہاں جہاں تصوف تھا، وہیں انسانی نفسیات کی پیچیدگیوں کو بھی بڑے سلیقے سے بیان کیا گیا، خاص طور پر مرزا غالب اور مومن خان مومن کے ہاں فکری بلندی اور نازک خیالی کا جو نمونہ ملتا ہے، وہ آج بھی بے مثال ہے:

ہستی کے مت فریب میں آ جائیو اسد
عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے
(غالب)

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا
(مومن)

اس کے برعکس جدید ادب ایک ایسے دور کی پیداوار ہے جہاں انسان نے روایت کی بندشوں سے نکل کر اپنی ذات کو مرکزِ کائنات بنا لیا ہے۔ صنعتی انقلاب، دو عالمی جنگوں کے اثرات اور سائنسی ترقی نے انسانی نفسیات میں جو انتشار پیدا کیا، جدید ادب اسی کا عکاس ہے۔ جدید ادب میں فرد کی داخلی کیفیت، اس کی تنہائی، اس کا اضطراب اور اس کی نفسیاتی الجھنیں زیادہ نمایاں ہوتی ہیں۔ یہاں موضوعات کی کوئی حد مقرر نہیں، اور ادیب کو مکمل آزادی حاصل ہے کہ وہ جس طرح چاہے اپنے خیالات کا اظہار کرے۔ ن م راشد کی شاعری میں فرد کا یہی داخلی احتجاج اور فکری جستجو نمایاں ہے:

زندگی سے ڈرتے ہو؟
زندگی تو تم بھی ہو،
زندگی تو ہم بھی ہیں!
آدمی سے ڈرتے ہو؟
آدمی تو تم بھی ہو، آدمی تو ہم بھی ہیں!

جدید ادب کی زبان بھی اس کے مزاج کی طرح آزاد اور غیر مقید ہوتی ہے۔ کہیں یہ حد درجہ سادہ ہو جاتی ہے اور کہیں اس قدر علامتی کہ عام قاری اس کے مفہوم تک رسائی حاصل نہیں کر پاتا۔ تاہم جدید ادب کا یہ کمال ہے کہ اس نے زندگی کو اس کے تمام تر بھدے پن اور تلخی کے ساتھ قبول کیا اور معاشرتی ناانصافیوں کو بے نقاب کیا۔ فیض احمد فیض اور فراق گورکھپوری نے کلاسیکی رچاؤ کو جدید سماجی و نفسیاتی شعور کے لیے جس خوبصورتی سے استعمال کیا، وہ جدید ادب کا ایک روشن پہلو ہے:

مجھ سے پہلی سی محبت مرے محبوب نہ مانگ
میں نے سمجھا تھا کہ تو ہے تو درخشاں ہے حیات
(فیض)

ایک مدت سے تری یاد بھی آئی نہ ہمیں
اور ہم بھول گئے ہوں تجھے ایسا بھی نہیں
(فراق)

اگر اثر انگیزی اور بقا کے اعتبار سے دیکھا جائے تو کلاسیکی ادب کو ایک واضح برتری حاصل ہے۔ لیکن یہ کہنا بھی ناانصافی ہوگی کہ جدید ادب بے وقعت ہے۔ اس نے ادب کو نئی جہتیں عطا کیں اور اسے درباروں سے نکال کر کوچہ و بازار کی زندگی سے جوڑ دیا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ادب کی صحت مند ترقی اسی وقت ممکن ہے جب اس میں روایت اور جدت کا حسین امتزاج پایا جائے۔ اگر ہم مکمل طور پر کلاسیکی روایت سے وابستہ رہیں تو جمود کا شکار ہو سکتے ہیں، اور اگر مکمل طور پر جدیدیت کی طرف جھک جائیں تو اپنی جڑوں سے کٹ سکتے ہیں۔

حکیم الامت علامہ اقبال نے اسی امتزاج کی بہترین صورت پیش کی، جہاں قدیم فکری اثاثہ جدید شعور کے ساتھ مل کر ایک نئی توانائی پیدا کرتا ہے۔ اقبال کے نزدیک جدت دراصل "تخلیقِ نو" ہے، جو روایت کے بطن سے جنم لیتی ہے۔ ایک سچا ادیب وہی ہے جو اپنے عہد کے مسائل کو محسوس کرے، لیکن ان کا حل ماضی کی حکمت اور روایت کی روشنی میں تلاش کرے۔ میر کی سادگی، غالب کی فکری گہرائی اور اقبال کی بلندی اگر جدید شعور کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائے تو ایک ایسا ادب وجود میں آتا ہے جو وقت کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے اور آنے والی نسلوں کے لیے بھی مشعلِ راہ بنتا ہے۔ اسی فکری شعور کی ترویج کی تمنا اقبال نے ان الفاظ میں کی تھی:

جوانوں کو مری آہِ سحر دے
پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کر دے

دسویں جماعت کے نتائج کے بعد طلبہ کے مستقبل کا درست انتخاب

آفتاب عالم شاہ نوری کروشی بلگام کرناٹک
۸۱۰۵۴۹۳۳۴۹

صوبہ کرناٹک میں دسویں جماعت کے نتائج آ چکے ہیں، اور جب سے یہ نتائج آئے ہیں، سوشل میڈیا پر مبارکبادوں کا ایک طویل سلسلہ جاری ہے۔ یقیناً یہ طلبہ و طالبات مبارکباد کے مستحق ہیں، جنہوں نے پورے سال محنت کر کے تعلیمی میدان میں نمایاں کارکردگی دکھائی۔ اس کے ساتھ ساتھ والدین اور اساتذہ بھی مبارکباد کے مستحق ہیں، جنہوں نے وقتاً فوقتاً طلبہ کی رہنمائی اور رہبری کی۔

دسویں جماعت کے امتحانات کے نتائج کسی بھی طالب علم کی تعلیمی زندگی میں ایک اہم موڑ (ٹرننگ پوائنٹ) کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کے بعد طلبہ کو مزید محنت، سنجیدگی اور درست رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ نتائج آتے ہی جہاں طلبہ خوشیوں میں مگن ہوتے ہیں، وہیں والدین اور سرپرست اس فکر میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ بچوں کا داخلہ کہاں، کس شہر، کس کالج اور کس شعبے میں کروایا جائے۔ آج کل یہ بات عام ہو چکی ہے کہ اگر کسی طالب علم کے ۹۰ فیصد سے زائد نمبر بھی ہوں، تب بھی کسی اچھے پرائیویٹ کالج میں داخلہ حاصل کرنے کے لیے لاکھوں روپے کی فیس درکار ہوتی ہے، جو ایک متوسط گھرانے کے لیے نہایت مشکل امر ہے۔ ایسے حالات میں والدین کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے اپنے بچوں سے مشورہ کریں اور ان کی دلچسپی معلوم کریں کہ وہ سائنس، کامرس یا آرٹس میں سے کس شعبے کو اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بچے کی دلچسپی کامرس یا آرٹس میں ہوتی ہے، مگر والدین کی خواہش اور دباؤ کے باعث اسے سائنس میں داخلہ دلوا دیا جاتا ہے۔ نتیجتاً وہ بچہ دو سال خوف، دباؤ اور عدم دلچسپی کے ساتھ تعلیم مکمل کرتا ہے اور وہ نتائج حاصل نہیں کر پاتا جن کی اس سے توقع کی جاتی ہے۔ اسی طرح بعض طلبہ سائنس پڑھنا چاہتے ہیں، مگر مالی مسائل کی وجہ سے انہیں کسی اور شعبے میں داخلہ لینا پڑتا ہے، جس سے ان کی صلاحیتیں متاثر ہوتی ہیں۔ یہ حقیقت ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ ہر انسان کی صلاحیتیں مختلف ہوتی ہیں۔ جس طرح

ہر جانور درخت پر نہیں چڑھ سکتا، اسی طرح ہر طالب علم کے لیے سائنس ہی واحد راستہ نہیں ہوتا۔ دیگر شعبے بھی ہیں جہاں ایک طالب علم بہترین کارکردگی دکھا سکتا ہے۔ اس لیے بچوں کی دلچسپی کے بغیر ان کا داخلہ کروانا ان کے مستقبل کے لیے خطرے کی گھنٹی ثابت ہو سکتا ہے۔ بعض اوقات یہی دباؤ اور ناکامی بچوں کو ذہنی تناؤ (ڈپریشن) کی طرف لے جاتا ہے، جو انتہائی خطرناک نتائج کا سبب بن سکتا ہے۔ لہٰذا والدین کو چاہیے کہ وہ دانشمندی سے کام لیں اور بچوں کے ساتھ مضبوط رابطہ قائم رکھیں۔ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ حکومتِ کرناٹک کی جانب سے کئی سرکاری اور امدادی (ایڈیڈ) کالجز موجود ہیں، جہاں معیاری اور بسا اوقات مفت تعلیم فراہم کی جاتی ہے۔ متوسط طبقے کے والدین کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ غیر ضروری قرض لے کر مہنگی فیس ادا کرنے کے بجائے اپنے بچوں کا داخلہ کسی اچھے سرکاری کالج میں کروائیں اور ان کی مسلسل رہنمائی کرتے رہیں۔ حال ہی میں بارہویں جماعت کے نتائج میں بھی یہ دیکھا گیا کہ سرکاری کالجوں کے کئی طلبہ نے نمایاں کامیابیاں حاصل کیں۔ اس کی بنیادی وجہ طلبہ کی محنت اور اساتذہ کی لگن ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کامیابی کا دارومدار ادارے سے زیادہ محنت اور رہنمائی پر ہوتا ہے۔

دیکھا دیکھی یا معاشرتی دباؤ میں آ کر بچوں کو مہنگے اداروں میں داخل کروانا ضروری نہیں۔ اصل ضرورت درست فیصلے اور مستقل مزاجی کی ہے۔ مزید یہ کہ ماہرینِ نفسیات کے مطابق ۱۶ سال کی عمر لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کے لیے نہایت حساس اور اہم ہوتی ہے۔ اس عمر میں والدین کو چاہیے کہ بچوں کی ضروریات پوری کریں، مگر ان پر مناسب نگرانی بھی رکھیں۔ آج کل حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ بعض بچے کالج یا ٹیوشن کا بہانہ بنا کر اپنا قیمتی وقت ضائع کرتے ہیں۔

خاص طور پر بیٹیوں کے والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ مہینے میں دو سے تین مرتبہ کالج کا دورہ کریں، اساتذہ اور پرنسپل سے ملاقات کریں، اور اپنے بچوں کی تعلیمی کارکردگی کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ اس سے بچے کو احساس رہتا ہے کہ اس پر نظر رکھی جا رہی ہے۔ دوستوں اور سہیلیوں کے انتخاب میں بھی احتیاط ضروری ہے، کیونکہ بری صحبت نوجوانوں کو آسانی سے غلط راستے پر لے جا سکتی ہے۔ اسی طرح ایک اہم مسئلہ موبائل فون کا ہے۔ اکثر والدین خوشی میں بچوں کو مہنگے موبائل فون دے دیتے ہیں، جو بعد میں ان کی تعلیمی تباہی کا سبب بنتا ہے۔ اگر موبائل دینا ضروری ہو، تو اس کے استعمال کو محدود رکھا جائے۔ صرف کالنگ اور آن لائن تعلیم تک ہی اسے محدود کرنا چاہیے۔ غیر ضروری سوشل میڈیا سے بچوں کو دور رکھنا ان کے بہتر مستقبل کے لیے نہایت اہم ہے۔ مزید یہ کہ موبائل بغیر لاک کے ہونا چاہیے تاکہ والدین بوقتِ ضرورت اس کا جائزہ لے سکیں۔ یہ عمر جذبات کی بھی ہوتی ہے، جہاں بچے کسی نہ کسی چیز سے وابستگی ضرور پیدا کرتے ہیں۔ ایسے میں والدین کو چاہیے کہ بچوں کو اچھی اور صالح صحبت فراہم کریں۔ لڑکوں کو نیک اور باعمل علماء کی صحبت سے جوڑیں، اور لڑکیوں کو دیندار اور بااخلاق خواتین کی صحبت میں رکھیں۔ اس طرح جب بچے اللہ اور رسول ﷺ کی محبت سے جڑیں گے تو ان کے اندر ایک مثبت تبدیلی آئے گی، اور وہ یکسوئی کے ساتھ اپنی دنیاوی تعلیم بھی بہتر انداز میں حاصل کر سکیں گے۔ آخر میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ بچوں کا مستقبل صرف نمبروں یا کالج کے انتخاب سے نہیں بنتا، بلکہ درست رہنمائی، سمجھداری، اور محبت بھری نگرانی سے سنورتا ہے۔

تم کیا جانو حافظ و عالم کیسے بنتے ہیں

* خامہ بکف
محمد عادل اررياوی *

بظاہر علم کا راستہ لوگوں کو آسان لگتا ہے لیکن حقیقت میں یہ بہت کٹھن اور صبر آزما سفر ہوتا ہے۔ حافظ و عالم بننا کوئی معمولی بات نہیں بلکہ اس کے لیے انسان کو بڑی بڑی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ اپنے گھر کو چھوڑنا پڑتا ہے ماں باپ کی شفقت سے دور ہونا پڑتا ہے بھائی بہنوں کی محبت سے جدائی برداشت کرنی پڑتی ہے۔ یہ سب چیزیں انسان کے دل میں ہمیشہ تازہ رہتی ہیں کبھی ماں کی یاد تڑپاتی ہے کبھی بہنوں کا پیار آنکھوں کو نم کر دیتا ہے اور کبھی باپ کی ڈانٹ بھی یاد آکر دل کو بھاری کر دیتی ہے۔

جب ایک طالب علم مدرسہ میں داخل ہوتا ہے تو اس کے لیے ایک نئی دنیا شروع ہوتی ہے۔ شروع شروع میں مدرسہ کا ماحول اجنبی لگتا ہے۔ کبھی وہاں کی دال پسند نہیں آتی کبھی روٹی اچھی نہیں لگتی لیکن پھر بھی صبر کے ساتھ وہی کھانا پڑتا ہے۔ آہستہ آہستہ انسان ان حالات کا عادی بن جاتا ہے۔ اس دوران استاد کی ڈانٹ بھی سہنی پڑتی ہے مدرسہ کے سخت اصول وضوابط کی پابندی بھی کرنی پڑتی ہے اور اپنی خواہشات کو قابو میں رکھنا پڑتا ہے۔

مدرسہ کی زندگی میں سب سے اہم چیز محنت اور لگن ہوتی ہے۔ طلبہ کو دن رات ایک کر کے اپنے اسباق یاد کرنے پڑتے ہیں۔ کبھی دیر رات تک پڑھنا پڑتا ہے تو کبھی صبح سویرے اٹھ کر سبق دہرانا ہوتا ہے۔ ہر دن ایک نئی آزمائش لے کر آتا ہے لیکن یہی آزمائشیں انسان کو مضبوط بناتی ہیں۔ مسلسل محنت صبر اور استقامت کے بعد ہی کوئی جا کر حافظ یا عالم بنتا ہے۔

بظاہر مدرسہ کی زندگی کسی قید خانے جیسی محسوس ہوتی ہے کیونکہ وہاں آزادی کم اور پابندیاں زیادہ ہوتی ہیں۔ لیکن حقیقت میں یہی زندگی انسان کو ایک خاص سکون عطا کرتی ہے۔ جو سکون جو اطمینان اور جو روحانی خوشی وہاں حاصل ہوتی ہے وہ دنیا کے بڑے سے بڑے محل میں بھی نہیں ملتی۔ مدرسہ کی سادہ دال اور روٹی میں جو برکت اور ذائقہ

ہوتا ہے وہ کسی شاہی دستر خوان میں بھی نہیں ہوتا۔ لوگ اکثر کہتے ہیں کہ حافظ یا عالم بننا آسان ہے مگر یہ صرف وہی کہہ سکتے ہیں جنہوں نے اس راستے کو خود نہیں دیکھا۔ اگر کبھی وہ مدرسہ کی زندگی کو قریب سے دیکھیں وہاں کے حالات کو سمجھیں اور طلبہ کی محنت کو محسوس کریں تو انہیں اندازہ ہوگا کہ یہ راستہ کتنا مشکل مگر کتنا باعظمت ہے۔

اس راستے کی حقیقت کو وہی سمجھ سکتا ہے جو خود اس سفر سے گزرتا ہے مدرسہ کی زندگی صرف کتابیں یاد کرنے کا نام نہیں بلکہ یہ اپنے نفس کو سنوارنے اپنے اخلاق کو بہتر بنانے اور اپنی زندگی کو ایک خاص مقصد کے تابع کرنے کا نام ہے۔ یہاں انسان کو صبر سکھایا جاتا ہے عاجزی سکھائی جاتی ہے بڑوں کی عزت اور چھوٹوں پر شفقت کرنا سکھایا جاتا ہے۔

اکثر راتوں کو ایسا بھی ہوتا ہے کہ تھکن سے جسم ٹوٹ رہا ہوتا ہے آنکھوں میں نیند بھری ہوتی ہے لیکن پھر بھی سبق یاد کرنا ہوتا ہے۔ کبھی دل چاہتا ہے کہ بس آج آرام کر لیا جائے مگر ذمہ داری کا احساس انسان کو دوبارہ کتاب کی طرف لے آتا ہے۔ یہی وہ لمحے ہوتے ہیں جب انسان اپنے آپ سے لڑتا ہے اپنی خواہشات کو قابو میں کرتا ہے اور اپنے مقصد کو ترجیح دیتا ہے۔

مدرسہ میں رہتے ہوئے انسان کو سادگی کی عادت ہو جاتی ہے۔ نہ زیادہ خواہشات نہ دنیاوی آسائشوں کی فکر بس علم حاصل کرنا ہی سب سے بڑی چاہت بن جاتی ہے۔ آہستہ آہستہ یہی سادگی انسان کے مزاج کا حصہ بن جاتی ہے اور وہ ہر حال میں شکر ادا کرنا سیکھ لیتا ہے۔

پھر ایک وقت آتا ہے جب سالوں کی محنت رنگ لاتی ہے۔ جب کوئی طالب علم قرآن مجید حفظ کر لیتا ہے یا عالم کی سند حاصل کر لیتا ہے تو اس لمحے کی خوشی الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی۔ اس کے پیچھے چھپی ہوتی ہیں وہ بے شمار راتیں وہ آنسو وہ دعائیں اور وہ قربانیاں جو اس نے اس راستے میں دی ہوتی ہیں۔

اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ راستہ صرف دنیاوی کامیابی کے لیے نہیں ہوتا بلکہ آخرت کی کامیابی کے لیے ہوتا ہے۔ یہی سوچ انسان کو ہر مشکل میں ثابت قدم رکھتی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس کی محنت رائیگاں نہیں جائے گی بلکہ اس کا اجر اسے ضرور ملے گا۔

اس لیے جب کوئی کہتا ہے کہ حافظ یا عالم بننا آسان ہے تو دل چاہتا ہے کہ اسے اس زندگی کا ایک دن دکھایا جائے تاکہ وہ خود دیکھ سکے کہ اس کے پیچھے کتنی محنت کتنی قربانی اور کتنی لگن چھپی ہوتی ہے۔ یہ راستہ واقعی مشکل ضرور ہے مگر جو اس پر ثابت قدم رہتا ہے وہی اصل کامیابی حاصل کرتا ہے۔

اے اللہ ربّ العزت ہمیں علم نافع عمل صالح اور اخلاص کامل عطا فرما اور ہماری محنت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما آمین ثم آمین یارب العالمین

٨٢٣٥٧٠٣٠٦١

القابات کی حقیقت اور مقصد؟

مُبَسْمِلًا وَحَامِدًا وَمُصَلِّيًا وَمُسَلِّمًا

القابات کی حقیقت اور مقصد

انسانی معاشرہ ابتدا ہی سے عزت و احترام اور پہچان کے مختلف انداز رکھتا آیا ہے___

کسی کا نام اس کی شناخت ہوتا ہے اور بعض اوقات اس کے ساتھ ایسا لقب بھی جڑ جاتا ہے جو اس کی علمی دینی اخلاقی یا سماجی حیثیت کو ظاہر کرتا ہے___

یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں اہل علم اہل فضل اور اہل خدمت لوگوں کو مختلف القابات سے یاد کیا جاتا رہا ہے___

مگر یہ سمجھنا ضروری ہے کہ لقب صرف لفظ نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک ذمہ داری ایک اعتماد اور ایک کردار کا اعلان بھی ہوتا ہے___

اسلام نے انسان کو عزت کا صحیح معیار بتایا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىکُمْ ؕ-[1]

ترجمہ تفسیر کنزالایمان: بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اصل عزت نسب مال شہرت یا لقب سے نہیں بلکہ تقویٰ سے ہے۔ اگر کسی کے پاس بڑے بڑے القابات ہوں مگر تقویٰ نہ ہو تو وہ حقیقی عزت سے محروم ہے___

اور اگر کسی کے پاس دنیاوی لقب نہ ہو مگر دل میں خوف خدا ہو تو وہ اللہ کے نزدیک معزز ہے___

القابات کا اصل مقصد کسی انسان کی خوبی کو ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ اسلام کی تاریخ میں اس کی بہترین مثال صحابہ کرام رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُم ہیں۔ حضرت ابو بکر رَضِيَ تعالیٰ عَنْهُ کو صدیق کہا گیا کیونکہ آپ سچائی اور تصدیق میں سب سے آگے تھے۔ حضرت عمر رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ کو فاروق کہا گیا کیونکہ آپ حق و باطل میں فرق ظاہر کرنے والے تھے۔ حضرت عثمان غنی رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ کو ذوالنورین کہا گیا۔ حضرت خالد بن ولید رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ کو سیف اللہ کہا گیا۔ یہ القابات کسی اشتہار کی زینت نہ تھے بلکہ کردار کی گواہی تھے___

حدیث شریف میں ہے: [2] نبی اکرم نور مجسم صَلَّى اللّٰهُ تعالیٰ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ (لفظ ابنِ ماجه) [3]

میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور یہ بطور فخر نہیں۔_

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی لقب حقیقت پر مبنی ہو اور اس میں تکبر نہ ہو تو اس کا بیان جائز ہے۔ حضور اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے اپنی شان بیان فرمائی مگر فخر و غرور کے طور پر نہیں بلکہ حقیقت کے اظہار کے طور پر___

ایک اور حدیث شریف میں فرمایا: چنانچہ [4] نبی پاک صاحب لولاک صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم:

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ مَعَالِيَ الْأُمُورِ وَيَكْرَهُ سَفْسَافَهَا [5]

اللہ ربّ العزت بلند اخلاق اور اعلیٰ کاموں کو پسند فرماتا ہے___

بنے۔ لقب کا مطالبہ نہ کرے بلکہ کردار ایسا بنائے کہ لوگ خود عزت دیں۔

اسلامی تعلیمات میں نام اور لقب دونوں میں حسن کا حکم دیا گیا ہے۔ حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے بعض نام بدل دیے جو نامناسب تھے اور اچھے نام رکھنے کی ترغیب دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ الفاظ کی بھی اہمیت ہے۔ لیکن صرف اچھا نام کافی نہیں جب تک عمل اچھا نہ ہو___پ

حضرت علی رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ کا قول ہے:

قِيمَةُ كُلِّ امْرِءٍ مَا يُحْسِنُهُ [6]

ترجمہ: ہر شخص کی قیمت وہ ہنر و کمال ہے جو اس میں پایا جائے___

یعنی انسان کی اصل قیمت اس کے کام اور کردار سے ہوتی ہے نہ کہ دعووں اور خطابات سے۔

حضرت عمر فاروق رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فرماتے ہیں:

حَاسِبُوا أَنْفُسَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُحَاسَبُوا (لفظ الترمذی) [7]

ترجمہ: اپنا محاسبہ کرو قبل اس کے کہ تمہارا حساب لیا جائے اگر کسی شخص کو بڑا لقب دیا گیا ہے تو اسے اپنے نفس سے پوچھنا چاہیے کہ کیا میں واقعی اس لقب کے لائق ہوں۔ اگر جواب نفی میں ہو تو اسے اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَنْ أَرَادَ الدُّنْيَا فَعَلَيْهِ بِالْعِلْمِ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ فَعَلَيْهِ بِالْعِلْمِ [8]

جو دنیا حاصل کرنا چاہے تو اس پر علم حاصل کرنا ضروری ہے اور جو آخرت کی کامیابی چاہے اس پر بھی علم حاصل کرنا ضروری ہے___

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کو عالم فاضل مفتی محدث یا خطیب کہا جائے تو اس لقب کے پیچھے حقیقی علم ہونا چاہیے۔ صرف لفظوں سے کوئی عالم نہیں بنتا___

امام غزالی رحمہ اللہ نے لکھا کہ عالم وہ نہیں جو صرف معلومات رکھتا ہو بلکہ عالم وہ ہے جس کے علم کا اثر اس کے عمل پر ظاہر ہو۔ [9] یہی اصل معیار ہے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ بعض جگہ القابات بہت آسان ہو گئے ہیں اور بالخصوص جلسوں کے اسٹیج پر نقیب صاحبان اور پڑھے لکھے حضرات بڑے بڑے القابات تقسیم کرتے نظر آتے ہیں۔ ابھی ایک ویڈیو نظر سے گزری جس میں ایک صاحب کسی مفتی صاحب کو نہ جانے کتنے عظیم عظیم القابات دے رہے تھے۔ میں ان حضرت سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا اتنے بڑے بڑے القابات دینا واقعی درست بھی ہے یا نہیں۔

اور جن صاحب کو یہ القابات دیے جا رہے تھے وہ خود اپنے موبائل فون میں مشغول تھے۔ نہ مجلس کی طرف توجہ تھی نہ اسٹیج کی سنجیدگی کا احساس۔ یہ منظر دیکھ کر دل کو افسوس ہوا کہ کردار مشکل ہو گیا ہے اور القابات آسان ہو گئے ہیں۔

آج نام کے ساتھ لمبی لمبی فہرستیں لگا دی جاتی ہیں مگر مجلس میں وقار کم نظر آتا ہے۔ عوام رہنمائی چاہتی ہے مگر انہیں صرف تعارف سنایا جاتا ہے۔ لوگ مسائل کا حل چاہتے ہیں مگر ان کے سامنے لفظوں کی نمائش پیش کی جاتی ہے۔ اگر لقب خدمت کے بغیر ہو تو وہ عزت نہیں بلکہ بوجھ بن جاتا ہے___

لقب مانگا نہیں جاتا بلکہ کمایا جاتا ہے۔ جب انسان اخلاص سے دین کی خدمت کرے لوگوں کی رہنمائی کرے اپنے اخلاق سے دل جیتے اپنے علم سے اندھیرے دور کرے تو پھر لوگ خود اسے عزت دیتے ہیں۔ ایسی عزت دیرپا ہوتی ہے۔

اصل مقصد یہ ہونا چاہیے کہ اگر کسی کو محسن قوم کہا جائے تو وہ قوم کا درد رکھے۔ اگر کسی کو فخر ملت کہا جائے تو وہ ملت کی آبرو بنے۔ اگر کسی کو زینت مسند تدریس کہا جائے تو وہ علم کا چراغ جلائے۔ اگر کسی کو تاجدار خطابت کہا جائے تو اس کی زبان سے حق نکلے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ [10]

فرما دیجیے عمل کرو عنقریب اللہ تمہارے عمل کو دیکھے گا___

یہ آیت بتاتی ہے کہ اصل چیز عمل ہے۔ لقب نہیں عمل دیکھا جائے گا۔ شہرت نہیں کردار دیکھا جائے گا۔ الفاظ نہیں حقیقت دیکھی جائے گی___

آخر میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ القابات کی حقیقت عزت ہے اور مقصد خدمت کی پہچان۔ اگر لقب اور عمل جمع ہو جائیں تو شخصیت روشن ہو جاتی ہے۔ اگر لقب رہ جائے اور عمل نہ رہے تو صرف آواز باقی رہتی ہے اثر باقی نہیں رہتا۔ اس لیے ہمیں القابات سے زیادہ اوصاف پیدا کرنے کی فکر کرنی چاہیے کیونکہ عزت زبانوں سے نہیں کردار سے ملتی ہے___

آخر میں کچھ سوال درکار ہیں:

کیا ہر بڑے لقب کے پیچھے واقعی بڑا کردار بھی موجود ہے؟ کیا القابات دینا آسان اور ان کا حق ادا کرنا مشکل نہیں ہو گیا؟ کیا صرف لمبے تعارف سے عوام کی اصلاح ہو سکتی ہے؟ کیا مجلسوں میں علم سے زیادہ القابات کا شور نہیں بڑھ گیا؟ کیا جنہیں بڑے بڑے القابات دیے جاتے ہیں وہ ان ذمہ داریوں کو محسوس بھی کرتے ہیں؟ کیا عوام رہنمائی سننے آتی ہے یا صرف تعریفیں سننے؟ کیا لقب خدمت کے بغیر عزت بن سکتا ہے؟ کیا ہم نے کردار کے بجائے الفاظ کو معیار بنا لیا ہے؟ کیا اسٹیج پر بیٹھنے والوں کو اپنا محاسبہ نہیں کرنا چاہیے؟ کیا وقت نہیں آ گیا کہ القابات سے پہلے اوصاف دیکھے جائیں؟

آخر میں میں صرف اتنا کہنا چاہوں گا کہ ہمیں بڑے بڑے القابات والے نہیں بلکہ بڑے کردار والے لوگ چاہییں۔

یہ تحریر اصلاح و بیداری معاشرہ کے لیے ایک ادنیٰ سی کوشش ہے۔

اگر اس میں کوئی کمی یا سہو رہ گیا ہو تو ازراہِ کرم نشاندہی فرمائیں، ہم تہِ دل سے ممنون ہوں گے۔

وماعلینا الا البلاغ۔

#محمد_اختر_نظامی
Contact_
https://telegram.me/Muhammad_Akhtar_bot

جاری کردہ: بتاریخ ٢٦ اپریل ٢٠٢٦ء مطابق ٨ ذوالقعدہ ١٤٤٧ھ بروز اتوار

حوالہ جات

[1] پارہ: ٢٦، سورہ الحجرات: ١٣،
[2] حضرت ابو سعید خدری رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ
[3] ابن ماجہ، کتاب الزهد، باب: ذکر الشفاعة، حدیث: ٤٣٠٨
[4] حضرت سیدنا حسین بن علی رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا
[5] سلسلة الأحاديث الصحيحة، الاداب والاستئذان، حدیث: ٢٧٤٠
[6] نہج البلاغہ باب الحکمة، صحفہ: ٨١
[7] ترمذی شریف، کتاب صفة القيامة والرقائق والورع، حدیث نمبر: ٢٤٥٩
[8] تہذیب الاسماء واللغات، جلد: ١، صفحہ: ٥٤،
[9] احیاء العلوم، کتاب العلم، صفحہ
[10] پارہ: ٩، سورہ التوبہ، آیت: ١٠٥،

شعبہ اردو، ستیہ وتی کالج میں بین الکلیاتی ادبی مقابلوں کا انعقاد

لکھنؤ / دہلی (پریس ریلیز / ابو شحمہ انصاری)

دہلی یونیورسٹی کے ممتاز ادارے ستیہ وتی کالج کے شعبہ اردو کی ادبی تنظیم "بزمِ ادب" کے زیرِ اہتمام ایک پروقار بین الکلیاتی تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ اس ادبی جشن میں دہلی کے مختلف کالجوں کے طلبہ نے 'مضمون نگاری' اور 'غزل سرائی' کے مقابلوں میں اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔

پروگرام کا باقاعدہ آغاز صدرِ شعبہ اردو ڈاکٹر قمر الحسن کے کلیدی خطاب سے ہوا۔ انہوں نے تعلیمی اداروں میں ادبی سرگرمیوں کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ "ایسے مقابلے طلبہ کی تخلیقی اور فکری صلاحیتوں کو نکھارنے کا بہترین ذریعہ ہیں اور شعبہ اردو مستقبل میں بھی اس طرح کی علمی و ادبی نشستیں جاری رکھے گا۔"

مضمون نگاری کے لیے "قومی تعلیمی پالیسی ٢٠٢٠ میں مادری زبان کی اہمیت اور معنویت" جیسا فکر انگیز عنوان منتخب کیا گیا تھا۔ اس مقابلے میں کل ١٥ طلبہ نے حصہ لیا جس میں اول ایشا فاطمہ اور نازیہ پروین (ستیہ وتی کالج) دوم سارا بیگ (دیال سنگھ کالج) سوم آسما (ذاکر حسین دہلی کالج) اور چہارم علما سیفی (ستیہ وتی کالج) نے حاصل کیے۔

اس مقابلے میں جج کے فرائض ڈاکٹر فیاض عالم، ڈاکٹر محمد رکن الدین اور ڈاکٹر بشیر شاہین نے انجام دیے۔ پروگرام کا دوسرا مرحلہ غزل سرائی کا تھا جس میں شرکا کی خوش الحانی نے حاضرین کو مسحور کر دیا۔ غزل سرائی مقابلے میں اول اریبہ خانم

(ستیہ وتی کالج) دوم زیبا (ذاکر حسین دہلی کالج) سوم ونام (شعبہ ہندی، ستیہ وتی کالج) اور حوصلہ افزائی انعام ثنا (ستیہ وتی کالج) نے حاصل کیے۔

غزل سرائی کے مقابلے میں ڈاکٹر قمر الحسن، ڈاکٹر فخر عالم اور ڈاکٹر افسانہ حیات نے منصفانہ فرائض انجام دیے۔

تقریب میں ذاکر حسین دہلی کالج، دیال سنگھ کالج اور دہلی یونیورسٹی کے دیگر کالجوں کے طلبہ نے بھرپور شرکت کی۔ نظامت کے فرائض رفیق طلحہ، اریبہ خانم، عنہا اور علما سیفی نے بحسن و خوبی نبھائے۔ آخر میں کامیاب طلبہ میں اسناد اور انعامات تقسیم کیے گئے۔ ڈاکٹر افسانہ حیات نے تمام مہمانوں اور شرکا کا شکریہ ادا کیا، جب کہ بزمِ ادب کے صدر عفان پٹھان، نائب صدر اقرا سیفی، سیکریٹری نازیہ پروین، جوائنٹ سیکرٹری عالیہ ناز اور خزانچی اقرا رحمان نے اس پروگرام کو کامیاب بنانے میں اہم کردار ادا کیے۔

Abu Shahma Ansari
Secretary
(Publicity & Publication)
All India Minorities
Forum for Democracy
Saadatganj, Barabanki
(U. P)

فخرالدین علی احمد گورنمنٹ پی جی کالج، محمود آباد میں نروتم کلچرل کلب کی رنگارنگ اعزازی تقریب

سال بھر کی مقابلہ جاتی سرگرمیوں کے کامیاب طلبہ کو انعامات، ثقافتی پروگرام بھی پیش

لکھنؤ (پریس ریلیز / ابو شحمہ انصاری)

فخرالدین علی احمد گورنمنٹ پی جی کالج، محمود آباد میں نروتم کلچرل کلب کے زیرِ اہتمام سال بھر منعقد ہونے والے مختلف مقابلہ جاتی پروگراموں کے کامیاب طلبہ کے اعزاز میں ایک تقریب کا انعقاد کیا گیا۔ اس تقریب کی صدارت کالج کی پرنسپل ڈاکٹر سیما سنگھ نے کی۔

تقریب کا آغاز پرنسپل، کلب انچارج پروفیسر جیوتی شاہ اور پروفیسر وپن کمار شکلا کے ہاتھوں چراغ روشن کرنے اور سرسوتی کی مورتی پر گل پوشی کے ساتھ ہوا۔ اس کے بعد کلب کے اراکین نے پرنسپل اور دیگر مہمانوں کا استقبال کیا۔ پروگرام کے اگلے مرحلے میں کماری پریانکا اور شردھا نے کلب کا گیت پیش کیا جبکہ کلب کے اراکین نے اجتماعی طور پر کلب کی حلف برداری انجام دی۔ بعد ازاں پروفیسر جیوتی شاہ نے کلب کی سالانہ کارکردگی پیش کی۔

اس موقع پر تعلیمی سیشن ۲۰۲۵-۲۶ کے دوران منعقد ہونے والے مختلف مقابلوں کے کامیاب طلبہ کو پرنسپل اور دیگر مہمانوں کے ہاتھوں انعامات سے نوازا گیا۔ یک نفرہ رقص مقابلہ میں پرگیا بھارتی نے اول، نیاتی گپتا نے دوم اور محمد آصف نے سوم مقام حاصل کیا جبکہ منیش کمار کو تسلی انعام دیا گیا۔ گروہی رقص مقابلہ میں نیاتی گپتا، آرتی اور راج نندنی کو اول، محمد آصف و سدھیر سنگھ کو دوم اور مہا مریم، اقراء فاروقی و ورشا راجپوت کو سوم انعام دیا گیا۔ مضمون نویسی مقابلہ میں ہاشمی ناز اول، آنند کمار دوم اور مانسی سنگھ سوم رہیں۔ مختصر ڈرامہ مقابلہ میں منیش، سدھیر، نشانت، شیام، سروجیت، اجول اور پرویش نے اول، ایشانی، سندھیا ورما، مانسی سنگھ، آرتی، انجلی اور ارم نے دوم جبکہ ورشا راجپوت، آنند، ششی ورما، وشال چورسیا، اقراء، مہا مریم اور الفیہ جہاں نے سوم مقام حاصل کیا۔ گائیکی مقابلہ میں شردھا بھارگو کو اول، شاہنواز کو دوم اور مہا مریم کو سوم انعام دیا گیا جبکہ پوسٹر مقابلہ میں ایشانی ورما اول، مانسی سنگھ دوم اور شکتی مان سوم رہے۔ مونو ایکٹنگ مقابلہ میں پرویش نے اول، منیش کمار نے دوم اور اقراء و مہا مریم نے مشترکہ طور پر سوم مقام حاصل کیا۔

پروگرام کے اختتام پر پرنسپل ڈاکٹر سیما سنگھ کو کلب کے اراکین پروفیسر جیوتی شاہ، ڈاکٹر زیبہ خان، ڈاکٹر پرارتھنا سنگھ، ڈاکٹر نیرج کمار اور ڈاکٹر منتظر قائمی کی جانب سے یادگاری نشان پیش کیا گیا۔ تقریب کی نظامت ڈاکٹر منتظر قائمی نے نہایت خوش اسلوبی سے انجام دی جبکہ شکریہ ڈاکٹر زیبہ خان نے ادا کیا۔ اس موقع پر گورنمنٹ پی جی کالج کے تمام اساتذہ و عملہ موجود رہا اور تقریب خوشگوار ماحول میں اختتام پذیر ہوئی۔

درس تا رقص

بختیار برکاتی

خانقاہ قادریہ مہرولی نئی دہلی

شریعت وطریقت کی تطبیق میں علم سے عشق اور عشق سے وجد تک کا متوازن سفر

✨ تمہید

آج کے دور میں ایک بڑی الجھن یہ ہے کہ کچھ لوگ دین کو صرف شریعت (ظاہری احکام) تک محدود کر دیتے ہیں، جبکہ کچھ لوگ طریقت (روحانیت و باطن) میں اس قدر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ ظاہری حدود کمزور پڑ جاتی ہیں۔
حالانکہ اسلام کی اصل روح ان دونوں کے حسنِ امتزاج میں ہے۔
جلال الدین محمد رومی کی زندگی اسی امتزاج کی روشن مثال ہے—جہاں درس (علمِ شریعت) سے آغاز ہوتا ہے اور رقص (وجدِ طریقت) تک پہنچ کر بھی شریعت کا دامن نہیں چھوڑا جاتا۔
یہ مضمون اسی حقیقت کو ایک متوازن، مدلل اور قابلِ عمل انداز میں پیش کرتا ہے۔

🌱 شریعت: بنیاد اور میزان

شریعت دین کا وہ حصہ ہے جو:
صحیح و غلط کی پہچان دیتا ہے
عبادات، معاملات اور اخلاق کو منظم کرتا ہے
انسان کو حدود کے اندر رکھتا ہے

📌 حقیقت:

>شریعت کے بغیر طریقت بے بنیاد ہے

رومی بھی ابتدا میں ایک جلیل القدر عالم تھے:
درس و تدریس
فقہ و حدیث
ظاہری التزام
یہ سب ان کے سفر کی مضبوط بنیاد تھے۔

🔥 طریقت: روح اور جان

طریقت دراصل:
دل کی اصلاح (تزکیہ)
اللہ سے تعلق (ذکر و فکر)
محبتِ الٰہی کا فروغ ہے۔
یہ وہ مرحلہ ہے جہاں:
>علم "زندگی" بن جاتا ہے
یہی وہ مقام ہے جہاں رومی کی ملاقات شمس تبریزی سے ہوتی ہے
اور ان کے اندر علم، عشق میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

⚖️ شریعت وطریقت کی حقیقی تطبیق

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ:

❌ شریعت بغیر طریقت:
خشک
رسمی
اثر سے خالی

❌ طریقت بغیر شریعت:
بے قابو
گمراہی کا خطرہ

✅ صحیح راستہ:
>شریعت (حدود) + طریقت (روح) = حقیقت (کمال)

🧠 وجد اور رقص: ایک سائنسی وروحانی حقیقت

رومی کے ہاں رقص کوئی رسم نہیں بلکہ ایک کیفیت ہے:
دماغی طور پر: Alpha/Theta waves
نفسیاتی طور پر: Altered state of consciousness
روحانی طور پر: دل کا اللہ کی طرف مکمل رجوع

📌 مگر اصول:
>یہ کیفیت شریعت کے تابع ہے، اس سے آزاد نہیں

🌀 رقص کی حقیقت اور حد

رومی کا رقص:
خود بخود
عشق کا اظہار
بے اختیار کیفیت
مگر:
❌ نہ دکھاوے کے لیے ❌ نہ مستقل عبادت کے طور پر 📌 اصول: >اگر رقص شریعت کے خلاف جائے تو وہ رومی کا رقص نہیں 🎶 موسیقی: ذریعہ یا رکاوٹ؟ رومی کے سماع میں موسیقی موجود تھی، مگر: ✅ معنی خیز ✅ وقار کے ساتھ ✅ ذکر و کلام کے تابع

📌 اصل اصول: >جو چیز دل کو اللہ کی طرف لے جائے وہ ذریعہ اور جو نفس کو بڑھائے وہ رکاوٹ

⚖️ حقیقی وجد اور مصنوعی کیفیت

✅ حقیقی وجد: عاجزی پیدا کرے
گناہوں سے دور کرے زندگی بدل دے

❌ مصنوعی: وقتی جوش
تقلید، کوئی تبدیلی نہیں

📌 کسوٹی:
>شریعت کی پابندی + اخلاقی تبدیلی

🏫 عصرِ حاضر کا المیہ

مدارس: علم ہے
مگر تزکیہ کمزور
خانقاہیں:
رسم ہے
مگر حال کمزور

📌 اصل مسئلہ:
>علم اور روحانیت کا جدا ہو جانا

🌱 حل: امتزاج کی واپسی

✅ ضروری اقدامات:

(1) علم کے ساتھ تزکیہ
نصاب + ذکر
درس + اصلاح

(2) استاد کا کردار
صرف عالم نہیں
صاحبِ حال بھی ہو

(3) طالب کا مقصد
صرف ڈگری نہیں
تبدیلی ہو

🌟 عملی راستہ (ہر انسان کے لیے)

نمازاور سنت کی پابندی
روزانہ ذکر
دل کی صفائی
سچی صحبت
صبر اور مجاہدہ

📌 یہی حقیقی "درس تا رقص" ہ

💫 حتمی پیغام

>رومی کا رقص شریعت سے باہر نہیں تھا،
بلکہ شریعت کی گہرائی میں جا کر پیدا ہونے والی کیفیت تھا

🌿 خلاصہ

>شریعت راستہ ہے
طریقت اس راستے کی روح
اور رقص اس روح کی ایک جھلک ہے—منزل نہیں

🌟 آخری بات

>جو شخص شریعت کو مضبوطی سے تھام لے
اور طریقت سے دل کو زندہ کر لے
وہی حقیقی معنوں میں "درس سے رقص" تک کا سفر طے کرتا ہے

بختیار برکاتی
خانقاہ قادریہ مہرولی نئی دہلی

غزل

عمران راقم
۹۱۶۳۹۱۶۱۱۷

بد نظر بد لباس چوراہا
شہر کا انعکاس چوراہا

ہر گھڑی بد ہواس چوراہا
حادثے کا نواس چوراہا

راستہ تنگ ہے مسافر سے
کیا کرے التماس چوراہا

زندگی کی یہی علامت ہے
مفلسوں کا اساس چوراہا

بدہوس روز اپنی آنکھوں کی
یوں بجھاتا ہے پیاس چوراہا

بے وفا شہر کی محبت میں
بن گیا دیو داس چوراہا

جو بھی پوچھے پتا بتاتا ہے
اجنبی نا شناس چوراہا

جس کی مرضی جہاں ٹھہر جائے
ہے بہت آس پاس چوراہا

ہے ادھوری ابھی بھی تیاری
کب کرے گا وکاس چوراہا

حادثہ پھر نیا ہوا ہے کیا
کیوں ہے راقم اداس چوراہا

غزل

وجودِ مشترک میں درد کو تنظیم کر لیتے
سفر کو بانٹ لیتے ہم، تھکن تقسیم کر لیتے

تو خود کو ایک اعلیٰ صاحب تعلیم کر لیتے
اگر حاصل فقط ہم علم رے اور میم کر لیتے

معافی، درگزر کے بعد بھی میری ترے دل میں
جگہ پہلی سی ہے یہ کس طرح تسلیم کر لیتے

درِ امروز کھل جاتا جو ہم پر ایک لمحہ بھی
تو اے اندیشۂ فردا تجھے ترمیم کر لیتے

ہماری تشنگی کو بھی میسر آ ہی جاتی حد
جو تم ساحل پہ آ جاتے تو ہم تعمیم کر لیتے

نہ رہتا فاصلہ کوئی دل و آواز کے مابین
تمہیں محسوس کر لیتے تمہیں تفہیم کر لیتے

اتر جاتے اگر معمول میں اپنے وہ تشنہ لب
تو شاید اپنے حق میں کوثر و تسنیم کر لیتے

اگر اس خاکدانِ دل کو مل جاتی تری نسبت
ہر اک ذرّے کو ہم آئینۂ تعظیم کر لیتے

کسی امکان کا در وا تو رہتا دل کے گوشے میں
جو منفی سوچ کی رفتار ہم کچھ دھیم کر لیتے

جو اپنی ذات کا عرفان دے دیتا خدا ہم کو
مسخر اس فقیری سے ہی ہفت اقلیم کر لیتے

ذکی طارق بارہ بنکوی
(ایڈیٹر ہفت روزہ "صدائے بسمل" بارہ بنکی)
سعادت گنج، بارہ بنکی، یوپی، انڈیا

نظم۔ دردِ اختلاف

کر رہا ہے سنیت کو پارہ پارہ اختلاف
دے رہا ہے غیر کو قوت؛ ہمارا اختلاف

کشتیِ امت کے سارے ناخداؤ! رکھو! یاد
ڈال دے گا دین میں رخنہ؛ تمہارا اختلاف

قلب میں رنجیدگی کا بیج گر ڈلتا نہ تو
تب سمجھتے ہم ہمارا ہے یہ پیارا اختلاف

دورِ حاضر میں بہاتا رہتا ہے ہر ایک پل
سنیوں کی آنکھوں سے آنسو کا دھارا اختلاف

آج تک اسلاف نے دیکھا نہیں تھا جو کبھی
اب ہمیں دکھلا رہا ہے وہ نظارہ اختلاف

یا خدا اک بار کر دے سنیوں میں اتفاق
اور پھر ہونے نہیں پائے دوبارہ اختلاف

مان جائیں مت کیا کیجے بشیر قادری

غزل

حیرت زدوں کو اور بھی حیرت میں ڈال کر
رکھا ہے تیری یاد کو اب تک سنبھال کر

سینے سے آ رہی ہے مسلسل یہی صدا
جو جا چکا ہے اس کا نہ ہرگز ملال کر

آساں نہیں ہے وصل میں خود کو سنبھالنا
چلنا ہے اس ڈگر پہ تمہیں دیکھ بھال کر

کیسے عجیب شخص کو چاہا تھا میں نے بھی
خوشیاں منا رہا ہے وہ دل سے نکال کر

بندہ ہے اپنے رب کا تُو رب سے ہی مانگنا
اہلِ جہاں کے آگے نہ دستِ سوال کر

جن کو تھا میں نے چاہا دل و جان سے کبھی
پچھتا رہا ہوں ایسے ہی سانپوں کو پال کر

اک روز لوٹ آئے گا عالمؔ یقین رکھ
ہرگز نہ اپنے آپ کو غم سے نڈھال کر

آفتاب عالمؔ شاہ نوری
کروشی ضلع بلگام کرناٹک
۸۱۰۵۴۹۳۳۴۹

بریلوی یا اہلِ سنت؟ ایک معتدل جائزہ:

ابوالعطر محمد عبدالسلام امجدی برکاتی

ابوالعطر محمد عبدالسلام امجدی برکاتی

برصغیر کے دینی ماحول میں بعض الفاظ ایسے ہیں جو محض نام نہیں بلکہ ایک فکری پس منظر، مذہبی شناخت اور علمی روایت کی علامت بن گئے۔ انہی میں ایک لفظ "بریلوی" بھی ہے۔ بعض لوگ اسے محبت و نسبت کے طور پر استعمال کرتے ہیں، بعض اسے محض تعارف سمجھتے ہیں اور بعض اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ اس مسئلے میں الجھنے کی بجائے اس کا صحیح حل نکالنا ہوگا اور پیچیدگیوں کی دنیا سے نکل کر سہل و یسر کی دنیا میں آباد ہونا ہوگا۔

سب سے پہلے یہ حقیقت واضح ہونی چاہیے کہ مسلمانوں میں حق پر قائم جماعت کی اصل اور جامع شناخت "اہلِ سنت و جماعت" ہے۔ یہی وہ عنوان ہے جسے صدیوں سے محدثین، فقہاء، مفسرین اور علماءِ امت نے اختیار فرمایا۔ یہ نام کسی ایک شخصیت، شہر یا زمانے سے وابستہ نہیں بلکہ سنتِ نبوی ﷺ، طریقۂ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور جمہور امت کے تسلسل کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس اعتبار سے جب کوئی شخص اپنے آپ کو اہلِ سنت کہتا ہے تو وہ اپنی بنیادی دینی شناخت بیان کرتا ہے۔

تاہم تاریخ کے بعض ادوار میں جب مختلف مذہبی جماعتیں اور فکری تحریکیں سامنے آئیں اور ہر گروہ نے اپنے آپ کو مسلمان یا حق پر قائم جماعت کہنا شروع کیا، تو عوام کے لیے امتیاز مشکل ہوگیا کہ روایتی سنی عقائد پر قائم طبقہ کون سا ہے۔ ایسے ماحول میں بعض اضافی نسبتیں رائج ہوئیں تاکہ پہچان آسان ہوسکے۔ اسی پس منظر میں "بریلوی" کا لفظ معروف ہوا، جو دراصل امام احمد رضا خان کی طرف نسبت ہے، جنہوں نے اپنے دور میں اہلِ سنت کے عقائد و نظریات کا نہایت مضبوط، مدلل اور علمی دفاع فرمایا۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ "بریلوی" کوئی نیا مذہب، مستقل فرقہ یا الگ شریعت کا نام نہیں، بلکہ ایک تعارفی نسبت ہے، جیسے مختلف ادوار میں حنفی، شافعی، قادری، نقشبندی، اشعری اور ماتریدی جیسی نسبتیں معروف رہیں۔ جس طرح "حنفی" کہنے سے کوئی نیا دین مراد نہیں لیا جاتا، اسی طرح "بریلوی" سے مراد بھی وہ سنی طبقہ لیا جاتا ہے جو برصغیر میں روایتی عقائدِ اہلِ سنت کا حامل سمجھا جاتا ہے، جس پر اعتراض کرنا، یا انگشت نمائی کرنا یا اپنی جدت فکری کے زعم میں طوفان بپا کرنا نہ فکری اعتدال کی علامت ہے اور نہ دانائی بلکہ اشتعال اور شرار بولہبی ہے، اور ایک مستقل اور الگ فرقہ و جماعت جدیدہ سے ہمارا متعارف کرانا بددیانتی اور مکر و فریب، افترا اور فکری بدمعاشی کے سوا کچھ نہیں کہا جاسکتا یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ کسی مسلمان کے لیے خود کو "بریلوی" کہلانا نہ شرعاً لازم ہے، نہ عقلاً ضروری۔ اگر کوئی شخص اپنے تعارف میں محض مسلمان، سنی، اہلِ سنت، حنفی یا کسی بھی معتبر دینی نسبت کو اختیار کرے تو اس میں نہ کوئی قباحت ہے، نہ کوئی اشکال۔ دین کی اساس ناموں پر نہیں، بلکہ ایمان کی سچائی، عمل کی پختگی، سنت کی پیروی اور محبتِ رسولِ کریم ﷺ کی تابندگی پر قائم ہے۔ اصل سرمایہ وہ دل ہے جو خدا کی یاد سے معمور ہو اور وہ زندگی ہے جو سنتِ مصطفوی ﷺ کے نور سے منور ہو۔ لیکن موجودہ دور و حالات میں اسی قدر پر قناعت مناسب بھی نہیں، کیونکہ دنیا میں شناخت صرف باطن کی سچائی سے نہیں بنتی، بلکہ ظاہر کے عنوان، عرفِ عام کے فہم اور معاشرتی ادراک سے بھی متعین ہوتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص یا ادارہ اپنے عقائد، معمولات اور علمی منہج میں اہلِ سنت ہی کے مسلک پر قائم ہو، مگر اپنے تعارف میں ایسی نسبت اختیار کرلے جو عوام کے عرف میں کسی دوسرے فکری دھارے کی علامت بن چکی ہو، تو عام ذہنوں میں اشتباہ پیدا ہونا، فضا میں اضطراب کا ابھرنا اور دلوں میں غیر ضروری سوءِ ظن کا در آنا ایک فطری امر ہے۔ کیونکہ عوام کتابوں کی اصطلاحات سے نہیں، بلکہ ناموں کے اثرات اور عنوانات کے سائے سے رستہ پہچانتے ہیں۔ اور یہی وہ نکتہ ہے جسے اکابرِ امت نے ہمیشہ حکمت و بصیرت کے ساتھ ملحوظ رکھا۔ ان کا انداز یہ رہا کہ حقیقت کو بھی محفوظ رکھا جائے اور فہمِ عامہ کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے۔ اگر کسی لفظ یا نسبت سے ذہنی انتشار پیدا ہونے لگے، یا ایک خالص سنی ادارہ غیر مقلد یا کسی دوسرے مسلک کے ساتھ خلط ہو کر دیکھا جانے لگے، تو وہاں حکمت یہی کہتی ہے کہ ایسے مبہم عنوان سے احتراز کیا جائے، تاکہ امت کے ذہن میں الجھن کی دھند نہ پھیلے۔

یہ بات تو یقینی ہے ہے کہ لفظ "بریلوی" ابتداءً اہلِ سنت کی جانب سے وضع کردہ عنوان نہ تھا، بلکہ مخالف حلقوں کی طرف سے بطورِ امتیاز، بلکہ بعض مواقع پر بطورِ تعریض و تفریق استعمال میں آیا، جیسا کہ اکابر کی کتابوں اور تحریروں سے ظاہر ہے۔ بعد ازاں حالات کے جبر، مسلکی یا مشربی رواج، اور شناختی ضرورتوں کے تحت یہی لفظ برصغیر، خصوصاً پاک و ہند میں ایک معروف نسبت بن گیا اور بہت سے اہلِ سنت نے اسے نشانِ امتیاز کے طور پر قبول بھی کرلیا۔ مگر اس

کے ساتھ یہ حقیقت بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ اس عمل کے نتیجے میں "اہلِ سنت و جماعت" جیسا اصل، جامع اور تاریخی عنوان بتدریج روپوش ہوتا چلا گیا، جبکہ بعض دوسرے فرقے اسی نام سے متعارف ہونے لگے۔ یوں معاملہ یہاں تک پہنچا کہ بیرونِ ملک، خصوصاً عرب دنیا میں، جہاں اصطلاحات کا پس منظر برصغیر جیسا معروف نہ تھا، وہاں بہت سے لوگوں نے "بریلوی" کو ایک مستقل نئے فرقے، یا کسی خاص مذہبی جماعت کے نام کے طور پر سمجھ لیا اور اہلِ سنت کی اصل شناخت اوجھل ہوتی چلی گئی۔

یہ سوال بھی ذہن میں ابھرتا ہے کہ جب اس لفظ کی ابتدا مخالفین کی کرشمہ سازی کے نتیجہ میں ہوئی، تو اس دور کے ہمارے اکابر نے اسے کلیتاً رد کیوں نہ کیا؟ اور کیوں نہ اپنے ناموں کے ساتھ اور اداروں اور تحریکوں کے تحت "سنی" یا "اہلِ سنت" کی نسبت کو زیادہ مضبوطی سے اور خوب زور و شور کے ساتھ عام کیا؟ اگر ہر سمت یہ شعور و شور پیدا کیا جاتا کہ ہماری اصل شناخت "سنی" ہے، ہماری جماعت "اہلِ سنت" ہے اور ہمارے علمی و روحانی انتسابات اسی کے تابع ہیں، بریلی شریف ہمارا مرکزِ عقیدت ضرور ہے مگر بریلویت ہمارا نہ مذہب ہے اور نہ الگ کوئی جماعت و فرقہ، تو شاید آج صورتِ حال کسی قدر مختلف ہوتی۔ اسی لیے آج بھی وقت ہے کہ ہم اپنی اصل، مستند اور تاریخی شناخت کو از سرِ نو زندہ کریں۔ کتابوں میں، مقالات میں، اداروں کے تعارف میں، منبروں اور اسٹیجوں پر اور عوامی سطح پر "اہلِ سنت و جماعت" اور "سنی" کی نسبت کو زیادہ نمایاں کیا جائے۔ اس قدر اپنا تعارف اس نام سے کرایا جائے کہ باطل فرقوں کے لیے اس نام کو غصب کرنا دشوار ہو جائے اور لوگ سمجھ جائیں کہ "اہلِ سنت" کوئی مبہم اصطلاح نہیں بلکہ ایک واضح علمی، اعتقادی اور تاریخی جماعت کا نام ہے۔ البتہ افسوس یہ ہے کہ موجودہ اسٹیج کلچر، جذباتی خطابت اور گروہی نعروں کے ماحول کو دیکھ کر فوری طور پر یہ امید کم دکھائی دیتی ہے کہ ہم سنجیدگی کے ساتھ اس حقیقی شناخت کی طرف لوٹنے پر آمادہ ہوں گے۔

الغرض ضرورت اس امر کی ہے کہ ضمنی نسبتوں کو اصل اور جامع عنوان پر غالب نہ آنے دیا جائے اور اسی فکر کو مزید وسعت دیتے ہوئے مناسب ہوگا کہ اس موضوع پر عربی زبان میں علمی رسائل و مقالات تیار کیے جائیں، جامعاتی سطح پر تحقیق ہو، حتیٰ کہ پی ایچ ڈی جیسے تحقیقی کام بھی اس پر کیے جائیں تاکہ یہ حقیقت محض مقامی حلقوں تک محدود نہ رہے بلکہ علمی دنیا میں باقاعدہ طور پر متعارف ہو اور ساتھ ہی عرب علماء و اساتذہ سے علمی روابط بڑھا کر انہیں یہ مواد پیش کیا جائے اور موقع بہ موقع انہیں اپنے علمی اجتماعات و کانفرنسوں میں مدعو بھی کیا جائے تاکہ براہِ راست مکالمہ و ملاقات سے فکری وضاحت اور بہتر ہم آہنگی پیدا ہوسکے۔

ابوالعطر محمد عبدالسلام امجدی برکاتی

"عرس: روحانیت سے تفریح تک"

کبھی ایسا تھا کہ جب کسی مستند، متقی اور صاحبِ حال بزرگ کا وصال ہوتا، تو ان کی برسی محض ایک رسمی اجتماع نہیں بلکہ ایک روحانی میلہ ہوتی تھی—ایسا میلہ جس میں دلوں کی زمینیں سیراب ہوتیں، ایمان تازہ ہوتا اور تعلقِ الٰہی مضبوط ہوتا۔ عرس دراصل "وصال" کی خوشی کا اظہار تھا؛ بندے کے اپنے رب سے جا ملنے کی یاد، جس میں قرآن کی تلاوت ہوتی، نعت و منقبت کی صدائیں بلند ہوتیں، اذکار و اوراد سے فضا معطر ہوتی، اور لنگر کے ذریعے اخوت و سخاوت کا عملی مظاہرہ کیا جاتا۔ وہ محفلیں ایسی تھیں جیسے خشک زمین پر بارش—خاموش مگر زندگی بخش۔

مگر وقت کی گرد نے اس روایت کے آئینے کو دھندلا دیا ہے۔ آج عرس کی کثرت تو ہے، مگر اس کی روح کہیں گم ہوگئی ہے۔ جو محفلیں کبھی ذکر و فکر کا مرکز تھیں، وہ اب رفتہ رفتہ شور و ہنگامہ کا میدان بنتی جا رہی ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے روح نکل گئی ہو اور صرف جسم باقی رہ گیا ہو—ایک خالی خول، جس میں نہ وہ تاثیر ہے نہ وہ نور۔

مزید افسوسناک پہلو یہ ہے کہ کچھ مقامات پر عرس کو قوالیوں کے مقابلے، اور مرد و خواتین کے درمیان نمائشی کشمکش کا رنگ دے دیا گیا ہے۔ وہ محفلیں جو کبھی دلوں کو جھکاتی تھیں، اب جذبات کو ابھارتی ہیں؛ جو کبھی آنکھوں میں آنسو لاتی تھیں، اب محض تالیوں اور شور کا ذریعہ بن گئی ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے ذکر کا چراغ بجھا کر تفریح کی مشعل جلا دی گئی ہو۔

چندہ جمع کیا جاتا ہے، لوگ ثواب کی نیت سے حصہ بھی لیتے ہیں، مگر نیت کی پاکیزگی اور عمل کی درستگی میں فاصلہ بڑھتا جا رہا ہے۔ جب عبادت کی صورت بدل کر نمائش میں ڈھل جائے، تو ثواب کی جگہ اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں خیر کا دروازہ بند نہیں ہوتا، مگر اس کا راستہ دھندلا ضرور ہو جاتا ہے۔

اس صورتِ حال کا ایک اور نقصان یہ ہے کہ مخالفینِ مسلک ان بے اعتدالیوں کو بنیاد بنا کر پورے مکتبِ فکر کو نشانہ بناتے ہیں۔ چند افراد کی غلطیوں کا بوجھ پوری جماعت پر ڈال دیا جاتا ہے، اور یوں اہلِ سنت کی سنجیدہ علمی و روحانی روایت کو بدنام کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اصل تعلیمات نہ اس اسراف کی اجازت دیتی ہیں، نہ اس قسم کی بے اعتدالیوں کی۔

سچ تو یہ ہے کہ قوم نے مزارات، عرس اور جلسوں کو رفتہ رفتہ "تفریح" کا ذریعہ بنالیا ہے۔ وہ مقامات جو کبھی تزکیۂ نفس کے مراکز تھے، اب وقتی تسکین کے اڈے بنتے جا رہے ہیں۔ جیسے کوئی قیمتی موتی بازار کی دھول میں گم ہو جائے، ویسے ہی روحانیت کا جوہر ظاہریت کی بھیڑ میں کھو گیا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس روایت کو اس کی اصل روح کے ساتھ زندہ کریں۔ عرس کو پھر سے ذکر، فکر، تعلیم اور اصلاح کا مرکز بنایا جائے۔ قرآن خوانی، سیرتِ اولیاء کے بیان، اصلاحی تقاریر، اور حقیقی روحانی تربیت کو فروغ دیا جائے۔ قوالی اگر ہو بھی تو اس کے آداب و حدود قائم رہیں، اور مقصد دلوں کو نرم کرنا ہو، نہ کہ محض دل بہلانا۔

اہلِ علم، مشائخ اور ذمہ دار افراد کو آگے بڑھ کر اس بگڑتی ہوئی صورتِ حال کی اصلاح کرنی ہوگی۔ عوام کی رہنمائی کی جائے، انہیں بتایا جائے کہ اصل عرس کیا تھا اور کیا ہونا چاہیے۔ کیونکہ اگر بنیاد درست ہو تو عمارت خود سنور جاتی ہے، اور اگر بنیاد ہی کمزور ہو تو ظاہری خوبصورتی دیرپا نہیں رہتی۔

آخرکار، ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ عرس ایک چراغ ہے—اگر اسے روحانیت کے تیل سے روشن رکھا جائے تو یہ دلوں کو منور کرے گا، اور اگر اسے خواہشات کی ہوا کے حوالے کر دیا جائے تو یہ بجھ بھی سکتا ہے۔ انتخاب ہمارے ہاتھ میں ہے: ہم اسے نور کا ذریعہ بنائیں یا محض ایک وقتی تماشا۔

محمد عباس الازہری

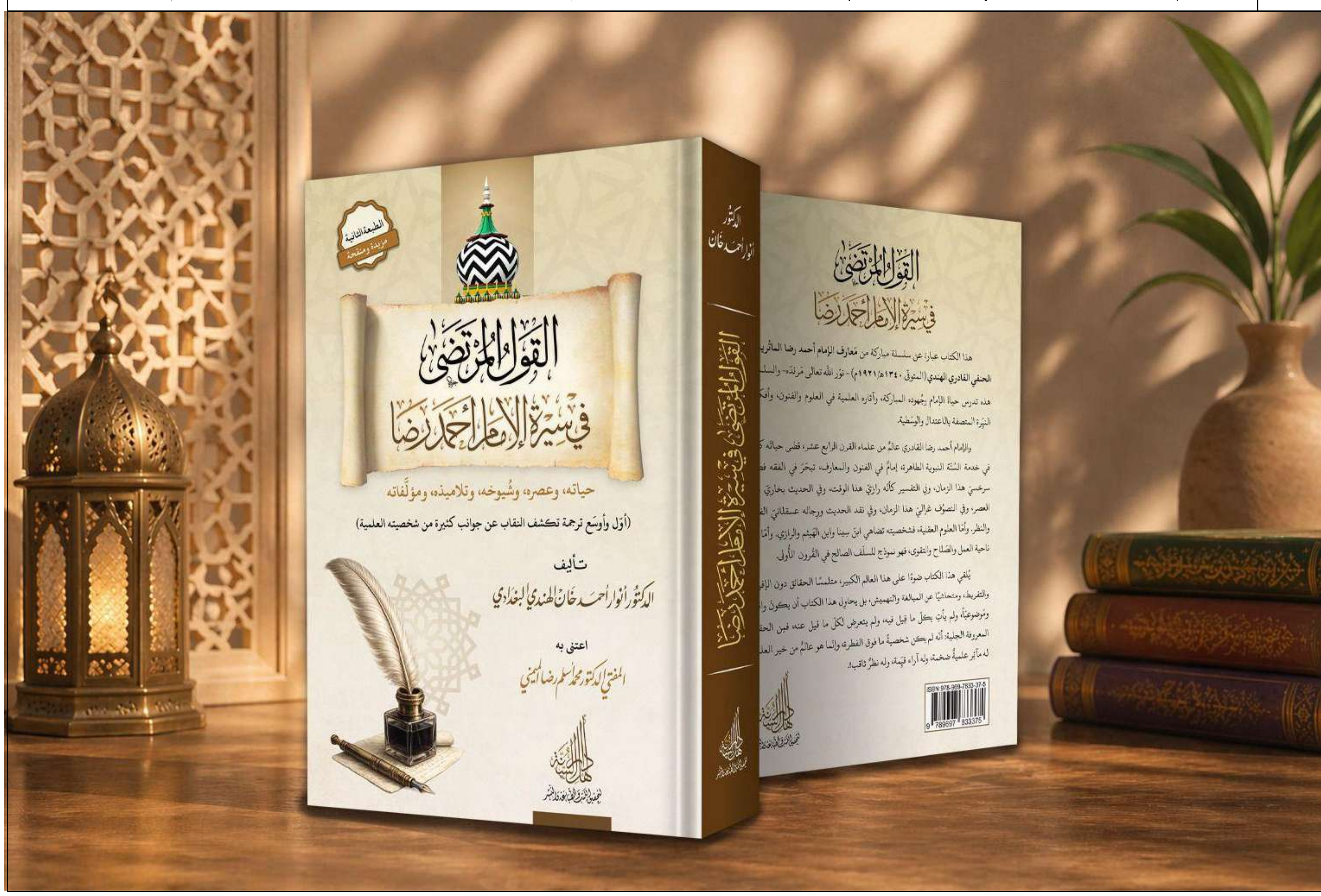

عربی زبان میں امام احمد رضا کا تعارف۔

یہ ایک بابرکت علمی سلسلہ ہے، جس کا آغاز ڈاکٹر انور احمد خان بغدادی نے ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی کی درخواست پر کیا۔

اس سلسلے کی پہلی کڑی میں سرکار سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری کی حیاتِ طیبہ، علمی خدمات، اور فکر و نظر کا جامع تعارف پیش کیا گیا ہے۔

امام احمد رضا چودھویں صدی ہجری کے جلیل القدر اور عظیم عالمِ ربانی ہیں۔ آپ نے اپنی پوری زندگی سنت نبویہ ﷺ کی خدمت کے لیے وقف کر دی، اور آپ کو فقہ، تفسیر، حدیث، تصوف سمیت متعدد علوم و فنون میں نمایاں مقام حاصل ہے۔

اس کتاب میں آپ کی شخصیت کو نہایت اعتدال، سنجیدگی اور حقیقت پسندی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، جس میں نہ مبالغہ آرائی ہے اور نہ کسی پہلو کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ بلکہ نہایت متوازن انداز میں واضح کیا گیا ہے کہ آپ ایک عظیم المرتبت عالم ہیں، جن کے علمی کارنامے، افکار اور بصیرت آج بھی اہلِ علم کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔